کیفِ الم

بسمل سعیدی

ناشر،

منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز لمٹیڈ نے اپنے مفیدِ عام پریس
واقع نِکلسن روڈ دہلی میں چھاپکر
شائع کیا!

قیمت:- چار روپیہ آٹھ آنے

لالہ لبھا رام منیجر نے مفید عام پریس واقع نکلسن روڈ دہلی میں چھاپی
اور لالہ موتی رام منیجر نے منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز لمٹیڈ پبلشرز دہلی و الہ آباد شائع کی۔

کیفِ الم

بسمل سعیدی

ٹونک راجستھان

۱۹۵۳ء

انتساب

بنامِ نامی

سرپرستِ شعر و ادب

عزیز الدولہ وزیر الملک ہز ہائینس نواب محمد اسمٰعیل علی خاں صاحب بہادر صولت جنگ تاج

والیٔ ٹونک (راجستھان)

دامِ اقبالہٗ

بسمل سعیدی۔ ٹونک راج۔

۱۹۵۳ء

از شاعرِ انقلاب حضرتِ جوشؔ ملیح آبادی مدظلہٗ

تعارف

یاد نہیں پڑتا کئی برس کی بات ہے جب میں ٹونک گیا تھا اور وہاں سب سے پہلے بسملؔ صاحب سے ملاقات ہوئی تھی اور پہلی ہی ملاقات میں بسملؔ صاحب کے پرخلوص برتاؤ اور اثر انگیز شاعری نے میرے دل پر ایسا نقش جمایا تھا جسے امتدادِ زمانہ کا جور اب تک محو نہیں کر سکا۔

بسملؔ صاحب بے حد محبت کے آدمی ہیں اور ان کی محبت میں دل کو مسخر کر لینے کی طاقت ہے۔ اس کے دوش بدوش یہ بلا کے حساس اور بے پناہ خود دار واقع ہوئے ہیں۔ بسملؔ صاحب کی شاعری زیادہ تر رومانی شاعری ہے۔ لیکن ایسی رومانی شاعری نہیں جو عام طور سے غزلوں میں نظر آتی ہے جس میں واردات کے عوض صرف روایات کی کار فرمائی ہوتی ہے اور جس کا پارچۂ مشاقی کے چرخے پر کاتا جاتا ہے۔

بسملؔ صاحب اپنے دل کے خون سے اپنا چراغ جلاتے ہیں، اور اپنے دل کی دھڑکنوں کو الفاظ کے سپرد کرتے ہیں۔ اور آپ بیتی کے سوا کبھی کچھ نہیں کہتے۔ اس طرح ہر حقیقی شاعر

کی طرح، اُن کی شاعری، اُن کی سوانحعمری ہے۔ جسے شعریت نے رنگین بنادیا ہے۔ اور جسے آنسوؤں نے تابانی عطا کی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ جو صاحبِ نظر بسمل صاحب کا کلام پڑھے گا وہ میری حرف بحرف تائید کرے گا۔ اور جو نہیں پڑھے گا، یا پڑھ نہ سکے گا وہ بدذوق بھی ہوگا اور بدبخت بھی۔

جوشؔ

دہلی۔

پیش لفظ

از ناظم الملک مولوی سیّد معشوق حسین صاحب اطہرؔ ہاپوڑی

شاعری میں رنگِ قدیم و طرزِ جدید کے دو اسکول برابر چل رہے ہیں۔ قدما کے متّبعین طرزِ جدید کو اچھا نہیں سمجھتے، اور جدید رنگ کے علمبردار قدیم روِش سے کنارہ کش ہیں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بین بین چل رہے ہیں۔ وہ اتنے آزاد نہیں ہیں کہ قدیم ضوابط و قواعدِ شعری کو مُخلِ اَدائے مطالب سمجھتے ہوں، وہ جو کچھ کہتے ہیں ضوابط و قواعد پیشِ نظر رکھ کر کہتے ہیں۔

بسملؔ سعیدی ٹونکی اِنہیں لوگوں میں سے ہیں جو طرزِ جدید کے دِلدادہ ہیں۔ لیکن مرفوع القلم نہیں ہیں۔ اُن کے کلام میں جہاں طرزِ قدیم کی دِل کشی ہے وہاں طرزِ جدید کی بھی دلفریبی ہے، دونوں گروہ ان کے کلام سے لطف اندوز ہوتے اور دادِ سخن دیتے ہیں۔ میرے نزدیک زمانۂ حال کے بہترین شعراء میں ان کا اعتماد ہے اور بزمِ سخن میں وہ صفِ اول میں جگہ پانے کے مستحق ہیں۔

مجھے اُمید ہے کہ ان کا مجموعۂ کلام قدردانی کے ہاتھوں سے لیا جائے گا اور قبولِ عام کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ میری دُعا ہے کہ وہ ہمیشہ آفتاب بن کر ہندوستان کے عرض و طول میں نور افشاں رہیں۔

اطہرؔ
ہاپوڑی۔

فہرست

غزلیں

۱۸۶۷

اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَّ یُحِبُّ الْجَمَال

غزل

شرطِ جہات و قیدِ مکان و زماں سے کیا
باہر ہے لامکاں سے وہ، کون و مکاں سے کیا
رودادِ غم کو میری تعلّق بیاں سے کیا
یہ سُن رہے ہو تُم مرے اشکِ رواں سے کیا
ہے کیوں ہنوز، حوصلۂ امتحاں، مجھے
تم مطمئن نہیں ہو ابھی، امتحاں سے کیا

اب فاتحہ کو قبر پہ تشریف لائے ہیں،
کھو کر رہیں گے وہ مجھے دونوں جہاں سے کیا

کیا جذب ہو رہا ہوں میں جلووں میں حُسن کے
اب عشق ساتھ چھوڑ رہا ہے یہاں سے کیا؟

کھوئیں گے دو جہاں کو ہمیں تیرے عشق میں
کھوئے گا تیرا عشق، ہمیں دو جہاں سے کیا

واقف نہ تھا میں ترکِ تعلق سے ہمنشیں،
ہوتی ہے ابتدائے محبت یہاں سے کیا

کچھ دِن نشاطِ شوق کے گذرے تھے عشق میں
اب منفعل ہوں تیرے غمِ جاوداں سے کیا

معراجِ شوق مل گئی ذوقِ سجود کو، ما
حُسنِ قبول مانگئے اب آستاں سے کیا

یہ میرا آشیاں ہے، وہی میرا آشیاں
صیّاد لے گیا تھا اِسی آشیاں سے کیا

ہاں تُو نے آستاں سے مجھے تو اُٹھا دیا
سجدے بھی اُٹھ سکیں گے ترے آستاں سے کیا

اُلجھے سے جا رہے ہیں کچھ انفاسِ زندگی
ٹُوٹے گا سلسلہ یہ کبھی درمیاں سے کیا

بسملؔ بیاضِ شعر ہے فردوسِ رنگ و بو
جاری ہے فیض اسمٰعیلِ[1] خُلد آشیاں سے کیا

[1] سیدی و ابی مولوی حکیم حاجی سید سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

غزل

فریبِ عقل میں مجنونِ عشق آ نہ سکا،

بُھلا دیا اُسے آنکھوں نے، دِل بُھلا نہ سکا

فروغِ حُسن سے راتیں وہ جگمگا نہ سکا

حریمِ عشق میں جو شمعِ دِل جلا نہ سکا

بُھلا دیا ہو کبھی یاد کرکے ممکن ہے

مگر میں بُھول کے تُجھ کو کبھی بُھلا نہ سکا

نہ دِل مِلا، نہ ملیں دِل کی لذّتیں اُس کو
جو تیرے دردِ محبت کو دِل بنا نہ سکا
دِیئے جواب مری معصیت کے رحمت سے
ہم اُس کو بھول گئے وہ ہمیں بُھلا نہ سکا
مجھے جنونِ محبت نے اُس جہاں میں رکھا
کہ جِس جہاں میں کوئی اِنقلاب آ نہ سکا
گُذر گیا ہے محبت میں اِک وہ عالم بھی،
کہ مُدّتوں مجھے تُو خود بھی یاد آ نہ سکا
تجلّیاں اُسے اپنی نظر جب آنے لگیں
نِگاہِ عشق میں پھر حُسن بھی سما نہ سکا

اُدھر کرشمۂ حُسن اُن کی پاک دامانی
اِدھر یہ حال کہ ایماں کوئی بچا نہ سکا

قیودِ عشق سے شاید گُذر گیا ہو کوئی
حُدودِ حُسن سے لیکن نکل کے جا نہ سکا

نہ بَن گیا ہو ترا عشق اِضطراب، کہیں
تسلّیوں سے تری اِضطراب جا نہ سکا

گذر گئی تھی ترے ساتھ زندگی کُچھ دِن،
پھر اُس کے بعد، مزاِ زندگی کا آ نہ سکا

ہمیشہ دَیر و حَرَم میں ہیں شورشیں جس سی
وُہ اِنقلاب کبھی میکدے میں آ نہ سکا

تمام عمر کو جب ہو گئے تھے وہ میرے

تمام عمر کبھی پھر وہ وقت آ نہ سکا

عجیب چیز ہے ہستی کی نیستی بسمل!

کہ جو یہاں سے گیا پھر کبھی وہ آ نہ سکا

غزل

آہ کا کیوں اثر نہیں ہوتا
دردِ دل دردِ سر نہیں ہوتا

عشق ہوتا نہ فائزِ منزل
حُسن اگر راہبر نہیں ہوتا

عشق کو دیکھتا ہے اصل میں وہ،
حُسن کچھ خود نگر نہیں ہوتا

سنگ اُس آئینہ کو کہتے ہیں

جس میں آئینہ گر نہیں ہوتا

ہوتے رہتے نہ گر جُدا ہم تم،

ربط ضبط اِس قدر نہیں ہوتا

عشق میں عالمِ وصال تو کیا

ہجر بھی بیشتر نہیں ہوتا

عشق کے پاؤں ڈگمگا جاتے

نگراں حُسن اگر نہیں ہوتا

وُہ نہ ہوتے تو ہم نہیں ہوتے

ورنہ ہوتا تو سر نہیں ہوتا

عِشق کا کامیاب ہو جانا
مُنحصر وصل پر نہیں ہوتا

ہے تغافل کا اُن سے ہم کو گِلہ
اَور یہ بھی اگر نہیں ہوتا

عِشق ہے وُہ مُسلسَل ایک دُعا
جس دُعا میں اَثَر نہیں ہوتا

آہ! آوازِ بازگشت نہیں،
عِشق باہمدِگر نہیں ہوتا

نہیں ہوتا تو سجدۂ سر کیا
سَر بھی مقبولِ دَر نہیں ہوتا

۳۴

عشق نومید تو نہیں، لیکن،

عشق، اُمید پہ نہیں ہوتا

مجھ پہ ہوں گے وہ مہرباں ضرور

درد بے چارہ گر نہیں ہوتا

دل تو دیتے ہیں سب، مگر بےتحمل

یوں کوئی بے جگر نہیں ہوتا!

غزل

غم نہیں نازِ حُسن ہے، حُسن کے ناز اُٹھائے جا
اے دلِ مبتلائے غم، غم میں بھی مسکرائے جا
حُسن ہے عشق آفریں، حسن پہ دل لُٹائے جا
عشق کو دردِ دل بنا، درد کو دل بنائے جا
جلوہ بہ جلوہ گر نہیں، پردہ بہ پردہ آئے جا
دل میں مرے سمائے جا، روح میں جگمگائے جا

شورشِ کائنات میں غم کو خوشی بنائے جا
ہنس مرے آنسوؤں میں تُو، آہ میں مسکرائے جا

تاروں میں جگمگائے جا، چاند میں مُسکرائے جا
دُور سے کوئی نغمۂ روح فزا سُنائے جا

ضبط بقدرِ ظرف ہے، ظرف بقدرِ شوق ہے
تُو ابھی سامنے نہ آ، شوق ابھی بڑھائے جا

باہمہ ترکِ رسم و راہ کچھ تو ہو اِلتفات بھی
تُو مجھے بھول جا، مگر، یاد مجھے تو آئے جا

حُسن سے بڑھ کے بدگماں، عشق ہی اپنے آپ سے
میں ابھی مُطمئن نہیں، تُو مجھے آزمائے جا!

صرف جبینِ شوق ہو، اورکسی کا آستاں

سجدے بھی درمیاں نہ ہوں سجدوں کو بھی مٹائے جا

بزمِ نشاطِ کائنات، مجھ پہ ہے خندہ زن ہنوز

خلوتِ غم میں تُو ابھی اور مجھے رُلائے جا!

اب نہ وہ تُجھ میں ہے، اور نہ تُو، اب وہ دل نہ آرزو

اب تو خدا کے واسطے یاد اُسے نہ آئے جا

غزل

احساسِ دردِ عشق کے قابل بنا دیا
تیری نظر نے دِل کو مرے دِل بنا دیا

چشمِ عتاب کا مجھے قاتل بنا دیا
تم نے بگڑ بگڑ کے مرا دل بنا دیا

آیا خیالِ حشر خدا کو ازل میں جب
پہلو میں آدمی کے وہیں دل بنا دیا

جذبات آفریں ہے وہ موجِ نگاہِ ناز
کافر جہاں پڑی ہے وہیں دِل بنا دیا

اُس نے جب اپنا عشق وَدِیعت کیا مجھے
اِک اضطراب تھا کہ جسے دل بنا دیا

بربادیوں پہ عشق کی قربان جائیے
تیری نگاہِ لطف کے قابل بنا دیا

دِیدار تک تو قابلِ دیدار خود رہے
پھر میرا حال دِید کے قابل بنا دیا

تنہائیوں میں تیرا تصور جب آ گیا
ویرانۂ خیال کو محفل بنا دیا

سودا سہی جنون سہی عاشقی، مگر
سر آستانِ یار کے قابل بنا دیا

دیکھا مجھے قریب تو اُس مستِ ناز نے
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے غافل بنا دیا

اللہ رے نازِ عشق کہ اک دل کے واسطے
اُس چشمِ بے نیاز کو سائل بنا دیا

او دِل نواز، او نگہِ درد آفریں،
اِک دل کو دو جہان کا حاصل بنا دیا

مجبورِ التفات ہے وہ چشمِ بے نیاز
یہ کس نے جذبِ عشق کو کامل بنا دیا

مشکل تو عشق میری وفا سے بھی تھا، مگر
تیری وفا نے اور بھی مشکل بنا دیا

اب تک برائے نام رہا یا برائے بیت
ہاں اب تری نگاہ نے بسمل بنا دیا
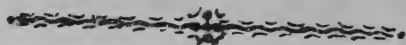
غزل

اُف یہ عالم تری رعنائی کا ‏ ‏ کیف آنکھوں میں ہو انگڑائی کا

کون دِلوائے یقیں اُن کو مِرا ‏ ‏ کوئی شاہد نہیں تنہائی کا

آئینے سے بھی وہ شرماتے تھے ‏ ‏ ہائے کیا وقت تھا رسوائی کا

بنتی رہتی ہیں نِگاہیں میری ‏ ‏ آئینہ، اُن کی خود آرائی کا

چاک دامن نہ گریباں پر زد ‏ ‏ یہ بھی اِک حال ہے سودائی کا

رشک سے آپ کا ہنگامۂ بزم ‏ ‏ حشر ہے عالمِ تنہائی کا

کوچۂ حُسن تک اے رہبرِ عشق راستہ جاتا ہے رُسوائی کا
جو جہاں ہے، وہیں تجھ سے ہے قریب ہے کمال انجمن آرائی کا

بسملؔ اب ختم ہے ذِلّت پہ مری
سِلسلہ عزّتِ آبائی کا
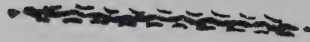
غزل

ناامیدِ آرزو اُس بزم میں دِل ہو گیا
اِک سفینہ تھا کہ جو بر یادِ ساحل ہو گیا

آرزو سے اِس قدر بیزار کیوں دِل ہو گیا؟
شوق ناقص رہ گیا یا عشق کامِل ہو گیا

ذہنِ قدرت کے ارادے ہو گئے سب کامیاب
جو رہا ناکام وہ انسان کا دِل ہو گیا

حُسن اِک دن ہوگیا تھا جلوہ ریزِ خاکداں

اِس میں جو ذرّہ تڑپ اُٹّھا وہی دل ہوگیا

بن نہیں پڑتا ہے کچھ خاموش جلنے کے سوا

میں تری محفل میں آکر شمعِ محفل ہوگیا

اُن کی محفل میں گُذاریں چند گھڑیاں اِس طرح

ہر نفس اپنا وہاں آئینِ محفل ہوگیا

پھر نگاہِ نازِ جاناں دلنوازی کر گئی!

پھر دلِ ویراں مرا جلوؤں کی محفل ہوگیا

کہہ دیا تھا کل ہنسی میں اُس نے دیوانہ مجھے

ہوش میں لانا مرا آج اُس کو مُشکل ہوگیا

ہوگیا جذب اِس میں جب سے میرا ذوقِ بندگی

تیرا سنگِ آستاں سجدوں کے قابل ہوگیا

اَللہ اَللہ آبروئے تیرے جنونِ عشق کی!

بسملؔ اب مستغنیٔ آدابِ محفل ہوگیا

غزل

مری طرح کوئی ناکامیاب ہو نہ سکا
کسی نگاہ میں بھی انتخاب ہو نہ سکا

خیال و خواب میں بھی کامیاب ہو نہ سکا
مرا خیال کبھی اُن کا خواب ہو نہ سکا

چمن ہزار بہ رعنائی بہار رہا!
تمہارا حُسن، تمہارا شباب ہو نہ سکا

مری نگاہ کے اندازِ شوق جب دیکھے
حجاب کر نہ سکے وہ، حجاب ہو نہ سکا

جہانِ عشق میں وہ ہم مزاجِ فطرت ہوں
مرے خلاف کوئی انقلاب ہو نہ سکا

کہاں وہ عہدِ شباب اور تلاطمِ جذبات
سکوں پذیر کبھی اضطراب ہو نہ سکا

نگاہِ شوق سے جب تک نہ چھیڑ چھاڑ ہوئی
ترا شباب مکمل شباب ہو نہ سکا

نگاہِ شوخ کی بیباکیاں کوئی دیکھے
کہ جیسے کوئی کبھی کامیاب ہو نہ سکا

حریمِ ناز کی اللہ رے رفعتیں بسمل!
خیال میں بھی کوئی بار یاب ہو نہ سکا
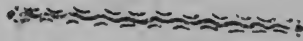
غزل

ہوا جو محوِ حیرت جانے وہ اِنسان کیا سمجھا
مگر یہ آئینہ، جو ہوگیا حیران، کیا سمجھا
نہ سمجھا جو ترے غم کو خوشی اور درد کو راحت
وہ نا فہمِ محبّت دل، ترا احسان کیا سمجھا
نہ گذری زندگانی عشق کے زیرِ اثر جس کی
کتابِ زندگی کا اپنی وہ عنوان کیا سمجھا!

مجھے محسوس ہوتا ہے کبھی جب وہ کہنی ہٹ

محبت کو مری تو نے ارے ناداں کیا سمجھا

بس اے شرمِ گنہگاری نہ کر بس منفعل مجھ کو

وہ پوچھیں گے کہ تو میرے کرم کی شان کیا سمجھا

نہ دیکھا پھر کبھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر میں نے

نظر ملتے ہی کافر نے مرا ارمان کیا سمجھا

مرا ارمان تو اُس کی محبت اور پرستش ہے

وہ نظریں پھیرنے والا مرا ارمان کیا سمجھا

نہ سمجھا میرے کفرِ عشق کو ایمان جو اپنا!

مرے ایمان کو بسمل وہ بے ایمان کیا سمجھا

غزل

دِل نے یقینِ وعدۂ روزِ جزا کیا
ایمان کی تو یہ ہے بڑا حوصلہ کیا

ثابِت ہُوا ہے عشق ہی مُستوجبِ جفا
اُس نے ستم کیا تو بقدرِ وفا کیا

شکوہ ہے التفاتِ ستم کا رقیب کو
بدذوقئ وفا نے کرم کو جفا کیا

ہے اصطلاحِ عشق میں شکوہ تو شکرِ جور
یہ کیا کیا کہ آپ نے عذرِ جفا کیا

لکھنی ہے مجھ کو سُرخیٔ افسانۂ قفس
صیّاد سچ بتا کہ مجھے کیوں رہا کیا

بسمل اَزل سے حُسن نہیں آشنائے عشق
موسیٰ کے ساتھ برقِ تجلّی نے کیا کیا؟
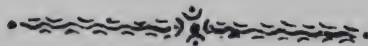
غزل

قاصد وہاں سے لاکھ پشیمان آئے گا
اُس بزم کا تو رنگ وہ پہچان آئے گا

اے بے کمال تیرا زمانہ خلاف ہو
کِس کِس کی موت کا تجھے ارمان آئے گا

اے چشمِ التفات تجھے جانتا ہوں میں
اب اِس فریب میں کوئی انجان آئے گا

کیوں مرگیا نہیں دمِ رُخصت غضب ہُوا
اب عُمر بھر مجھے یہی ارمان آئے گا

بسمل عجیب رنگ ہے اُس بزمِ ناز کا
جو جائے گا وہاں وہ پشیمان آئے گا

غزل

عشق پر زور چل نہیں سکتا
دِل سنبھالے سنبھل نہیں سکتا

آ کے دُنیا میں اِنقلاب کوئی
دِل کی دنیا بدل نہیں سکتا

اُن کی نظریں بدل گئیں ورنہ
یوں زمانہ بدل نہیں سکتا

رنگِ ہستی ہے انقلاب اگر
رنگِ ہستی بدل نہیں سکتا

آگیا ہوں وہاں سے گھبرا کر
اَب کہیں دِل بہَل نہیں سکتا

عشق کی آگ میں جو جلتا ہے
وہ جہنّم میں جل نہیں سکتا

وہ نگاہیں بدل گئیں بسملؔ
اب زمانہ بدل نہیں سکتا!

غزل
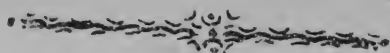
مِرا دَم بھی تجھ پر ہی قربان ہوگا
دمِ نزع بھی تیرا ارمان ہوگا
کرم کی توقع تو کیا تم سے ہوگی
ستم بھی کروگے تو احسان ہوگا
وفا کرکے میں بھی پشیماں ہُوا ہُوں
جفا کرکے تُو بھی پشیمان ہوگا

۵۱

وہاں تک محبّت نباہوں گا تُم سے
جہاں تک محبّت کا اِمکان ہوگا
بُتوں کی محبّت میں کمبخت بسملؔ
پریشان ہوگا پشیمان ہوگا!
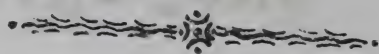
غزل

جب تری یاد کو بھی شاملِ سجدہ دیکھا
پھر نہ بتخانہ و کعبہ نہ کلیسا دیکھا
چشمِ نظّارہ طلب رہ گئی آخر تھک کر،
نظر آتا ہی گیا وہ، اُسے جتنا دیکھا
الحذر، حُسن سے جب عشق تجاوز کر جائے
دلِ بیتاب کو خود اُس نے بھی سمجھا دیکھا

ہم نے دل سے تو نہ نکلتے نہ تمنّا دیکھی
آنکھ سے بہتے ہوئے خونِ تمنّا دیکھا

عشرتِ ہستیٔ موہوم کہوں کیا بسمل
چشمِ بیدار نے اک خوابِ تمنّا دیکھا!
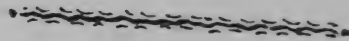
غزل

مُجھ پر تو اختیار نہ تھا بے ہوش کر دیا

مخلوق کی زباں کو نہ خاموش کر دیا

مُجھ سے بھی اُس نے مُجھ کو فراموش کر دیا

جب اپنا کرلیا مجُھے بے ہوش کر دیا

جلوے تو جا سکے نہ مری چشمِ شوق سے
پھر کیا ہُوا اگر مجھے بے ہوش کر دیا

دُنیا سے میری یاد بھلائی نہ جائے گی
یہ کیا کیا کہ تم نے فراموش کر دیا

میری زباں سے اِس نے ترا نام کیوں لیا
اِس نامراد دِل کو نہ بے ہوش کر دیا

او ضبطِ نامُراد ! ارے ننگِ عاشقی
تُو نے بھی اِس زباں کو نہ خاموش کر دیا

ہر وقت ہے شراب سے ساغر بھرا ہُوا
اُس چشمِ مست نے مجھے مے نوش کر دیا

بے ہوش کر کے ہوش میں لانا بھی سیکھئے

یہ کیا کہ اک غریب کو بے ہوش کر دیا

بسملؔ کسی کے زانو پہ جب ہوش آ گیا

جب بے کسی نے پھر مجھے بے ہوش کر دیا
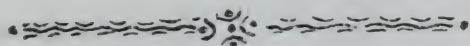
غزل

آنے کو لاکھ بار دلِ بے قرار آ!
لیکن کبھی کسی پہ نہ بے اختیار آ

ذوقِ نظر پہ صرف نہیں حصرِ اشتیاق!
آتا ہے سامنے تو بہ اعتبار آ

ظالم مآلِ کار کا احساس ہے غضب،
تو مجھ کو قتل کر کے نہ سوئے مزار آ

۵۸

اے دِل پھر اُن سے تجھ کو نہ ہوگا کوئی گلہ

اِس بزم میں اب آئے تو بیگانہ وار آ

بسمل جو یاد آتی ہیں وہ سُو مہریاں

جے پور جل کے موسمِ گرما گذار آ!

غزل
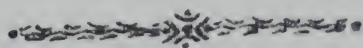
رنگ و بُو تک ہی نہیں ہے دَورِ دامانِ بہار
خار و خَس میں بھی نظر آتی ہے اِک نشانِ بہار

اُس کے دل سے پوچھئے انجامِ ارمانِ بہار
جس کے گلشن میں خزاں آئے بعنوانِ بہار

فصلِ گُل کو جس قدر برباد کرتی ہے خزاں
باغ میں اُتنا ہی بڑھ جاتا ہے امکانِ بہار

یوں مچا نا تھا نہ تم کو شورِ گلبا نگِ طرب
مر گئے اہلِ قفس اے نغمہ سنجانِ بہار
کیوں نہ ہوں نا قابلِ برداشت آلامِ قفس!
پرورش پائی ہے ہمنے زیرِ دامانِ بہار
تبسمل اس بزمِ طرب میں ہوں میں افسردہ گل
فصلِ گل میں جو رہے محرومِ فیضانِ بہار
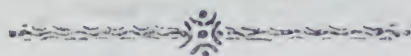
غزل

التجائیں کرنے والے کو دُعا سے کیا غرض
جس کو ہو تجھ سے غرض، اُس کو خُدا سے کیا غرض

پی رہا ہے مُسکرا کر جامِ صحّت موت کا،
تیرے بیمارِ محبّت کو شفا سے کیا غرض

عشق کشتی اپنی خود کھیتا ہے اپنے زور پر
ناخُدا سے واسطہ کیا، اور خدا سے کیا غرض

میں ہوں اور اب آستانِ عشق کی ہیں عظمتیں،

اب مِرے سجدوں کو تیرے نقشِ پا سے کیا غرض

دِل کو اب ذوقِ محبّت کے مزے آنے لگے

تُجھ سے اب، تیری جفا سے، یا وفا سے کیا غرض

او نگاہِ مُلتفت، بے فائدہ ہے اِلتفات

دردہی دل میں نہیں ہے اب دَوا سے کیا غرض

اب گھٹائیں میکدے پر چھائیں تو میں کیا کروں

بیدلی کو دعوتِ آب و ہوا سے کیا غرض

رُوح کو بالیدگی ہو جس میں اب وہ دِل نہیں

ہمنشیں مُجھ کو بہارِ جانفزا سے کیا غرض!

کس قدر خوش رہ کے مرجاتے ہیں مظلومانِ عشق

کوئی یہ سمجھے اِنھیں روزِ جزا سے کیا غرض

قہر کو بھی جس کے ہو اِک دَرگذر سے واسطہ

اُس کی رحمت کو مرے جُرم و خطا سے کیا غرض

اب دلِ ناکام میں وہ نالہ و نغمہ کہاں

بسملؔ اِک سازِ شکستہ کو صدا سے کیا غرض

غزل

انفعالِ جُرم سے روتے ہیں ہم
دفترِ عصیاں کو یوں دھوتے ہیں ہم

بے کسوں کا کون ہے پرُسانِ حال،
کون پُوچھے ہم سے کیوں روتے ہیں ہم

گر نہیں تُو جان سے بڑھ کر عزیز!
جان کیوں تیرے لئے کھوتے ہیں ہم

ہے خوشامد سے بھی کیوں تعریفِ غیر

کانٹے اپنے حق میں خود بوتے ہیں ہم

جو ہوئی تھیں وجہِ ترکِ رسم و راہ

اُن جفاؤں کو بھی اب روتے ہیں ہم

بسمل، اُٹھ جائیں گے صبحِ حشر کو

اب تو چادر تان کر سوتے ہیں ہم

غزل

نگاہِ ناز تری جب سے کارساز نہیں
جگر میں درد نہیں قلب میں گداز نہیں
نفس نہیں کوئی ایسا کہ جاں گداز نہیں
یہ میرا عشق ہے زاہد تری نماز نہیں!
جسے فرشتوں سے قدرت چھپا کے رکھتی ہے
شراب خانے میں وہ راز کوئی راز نہیں

ہَوس کی زندگیٔ جاوداں پہ لعنت ہے
بلا سے عُمرِ محبّت اگر دراز نہیں

تعلّقاتِ محبّت کی جان ہوتی ہے!
وہ اِک نگاہ بظاہر جو دل نواز نہیں!

تری جفاؤں پہ ہے نازِ جس قدر مُجھ کو،
مجھے وفاؤں پہ بھی اپنی، اِتنا ناز نہیں!

اگر کسی کی محبّت میں کوئی راز نہ ہو
تو پھر کسی کی محبّت تو کوئی راز نہیں!

نِگہ بھی جُرم، کبھی جُرم بے نگاہی بھی
کِسی اُصول پہ وہ جلوہ گاہِ ناز نہیں!

ہم بے نیاز سہی تُم سے بھی محبّت میں
مگر تُمھاری محبّت سے بے نیاز نہیں
تُم اپنے حُسن کی کھا کر قسم، مُکر جاؤ!
اگر تُمھاری محبّت کو مُجھ پہ ناز نہیں
کل اُن کے جلوؤں پہ تھا میرا اِختیارِ نظر
اور آج اپنی نظر کا بھی میں مجاز نہیں!
نگاہِ ناز کے اَللّٰہ رے یہ غلط انداز!
کوئی یہ سمجھے ابھی اِن کو مشقِ ناز نہیں!
سُنائی دیتی ہے محسوسِ جان و دِل ہوکر
وہ اِک صَدَا جو ہنوز آشنائے ساز نہیں

تمھاری بزم کی یہ دوستداریاں، توبہ
کسی سے جیسے کسی کو کچھ احتراز نہیں!

کھلا ہوا ہے وہ بابِ قبولِ مےخانہ
اگر نہیں درِ توبہ بلا سے باز نہیں!

تری اداے تغافل کی جان ہے ظالم
وہ اک ادا تری جس پر تجھے بھی ناز نہیں!

اب اپنے جلووں کا للہ احترام معاف
نگاہِ شوق کو اب تابِ امتیاز نہیں!

دوبارہ کس سے ملی عشق کی نگاہِ گرم!!
زمانہ سوز ہے بسمل زمانہ ساز نہیں

غزل

جو نہیں عشق کے قابل کسی قابل ہی نہیں

جذبۂ عشق اگر دِل میں نہیں دِل ہی نہیں!

اَب کُچھ اِس طرح مَیں اُس بزم میں ہوتا ہوں شریک

کوئی سمجھے کہ یہ وابستۂ محفل ہی نہیں

راس کیا دردِ محبّت کا مداوا آئے!

دل ابھی دردِ محبّت کے تو قابل ہی نہیں

لذتِ عشق ہی سے رُوح کا یہ عالَم ہے
اور ابھی حُسن تو احساس کے شامل ہی نہیں

خود نہ بڑھ آئے اگر حُسن ہی تا منزلِ عشق!
منزلِ عشق سے آگے کوئی منزل ہی نہیں

کس قدر عام ہیں اُس بزم کے آدابِ رُسوخ
آنے والا کوئی لے گا نہ محفل ہی نہیں

قُلزمِ عشق میں ہے اَمن بقدرِ ہمّت
اِس میں طوفان بھی اِک چیز ہے ساحل ہی نہیں

اے زہے عشرتِ احساس و نشاطِ انفاس!
کوئی سمجھے کہ غمِ عشق کا حاصل ہی نہیں

تیرے قربان ہیں اے بیخودیٔ ذوقِ طلب!
اب کوئی چیز مری راہ میں حائل ہی نہیں

کبھی مسجودِ نظر بھی تو ہو، اے کعبۂ رُوح!
آرزومند یہ آنکھیں بھی تو ہیں، دل ہی نہیں

شمع بھی جلتی ہے پروانے بھی جلتے ہیں، مگر،
تیری محفل میں وہ اب گرمیٔ محفل ہی نہیں

سہل ہوگی مری مشکل تو تمھیں سے ہوگی!
کہ کسی اور کو اندازۂ مشکل ہی نہیں

"بزمِ نفوی"[1] کے نہ ممنون ہوں کیوں کر بسمل
ٹونک میں شعر و سخن کی کوئی محفل ہی نہیں

[1] بدایوں کے ایک خوش خُلق اور صاحبِ فن ڈاکٹر، جو ایک طویل عرصے تک ریاست ٹونک میں سرکاری شفاخانہ معالج اور سعادت ہسپتال میں اسسٹنٹ سرجن کی حیثیت سے مقیم رہے۔ موصوف اپنی کوٹھی پر ہر مہینے نہایت اہتمام سے مجلسِ مشاعرہ منعقد فرماتے تھے۔ افسوس مجھے اُن کا نام یاد نہیں رہا — اور نہ یہی خبر کہ وہ آج کل کہاں ہیں!

غزل

نادم آخر جو صرفِ یادِ جاناں ہو گئیں،
نزع کی وہ چند گھڑیاں حاصلِ جاں ہو گئیں

کس قدر تھی فرصتِ نظارہ آنکھوں کو نصیب
جب نگاہیں تھک گئیں تو دل میں ارماں ہو گئیں

اے معاذ اللہ اک نظارہ کا فرِ شباب
آرزوئیں معصیت کی، دل کا ارماں ہو گئیں

بزم میں آگر جو مجھ تک پھر نہ واپس جاسکیں
وہ نگاہیں دل میں رہ کر دردِ پنہاں ہوگئیں

مسکرا کر پھر ذرا اِک جلوۂ ناز آفریں
لذّتوں سے غلو تیں پھر دِل کی ویراں ہوگئیں

با وجودِ کامیابی بیشتر ناکام ہیں!
کوششیں وہ ذہنِ فطرت کی جو انساں ہوگئیں

کون دے گا ہنس کر اب دادِ زبوں حالی مجھے!
آج وہ کافر نگاہیں بھی پشیماں ہوگئیں

حُسنِ غارت گر سے کیا بچتی متاعِ آرزو
عشق کی ناکامیاں ہی کچھ نگہباں ہوگئیں!

او حقیقت ناشناسِ معصیت! او طعنہ زن!
قُلزمِ رحمت کی موجیں بڑھ کے عصیاں ہو گئیں

بیٹھنے والے سجا کر محفلِ عیش و نشاط!
ایسی لاکھوں محفلیں گورِ غریباں ہو گئیں!

عشق کے دو دن پریشانی میں گُذرے تھے ابھی
مُدّتوں کو حُسن کی راتیں پریشاں ہو گئیں

آرزوؤں سے ہوئی بیدار بسمل زندگی
آرزوئیں زخمۂ تارِ رگِ جاں ہو گئیں
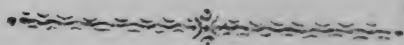
غزل

تھی کاہشِ فراق ابھی کیوں وصال میں
کیا تم چلے گئے تھے کسی کے خیال میں
ٹوٹی ہوئی اُمید دلِ پُر ملال میں،
اِک صیدِ پر شکستہ ہے دامِ خیال میں
رہنے دے عذر خواہیٔ ظلم، او ستم شعار
لاکھوں ستم ہیں اِک نگہِ انفعال میں

آئینہ رکھ کے ہاتھ سے شرما کے رہ گئے

کون آگیا نظر اُنہیں اپنے جمال میں

ذوقِ وفا طلب ہوں میں تجھ سے تری لئے

تیرا کرم بھی ہے مرے دستِ سوال میں

راتیں اُسی کی، دِن ہیں اُسی خوش نصیب کے

وہ جس کے خواب میں ہے، وہ جس کے خیال میں

بربادیوں پہ عشق کی قربان دو جہاں

رہتا ہوں اب تری نگہِ اِنفعال میں

مَیں فرطِ اضطرابِ تمنّا کو کیا کروں

اِتنی ہی دِل کشی ہے کِسی کے جَمال میں

باقی ہے کیا ابھی کوئی حسرت گناہ کی

دل کیوں نہیں شریک مِرے انفعال میں

دِل پر فریبِ ذوقِ نظر چل نہ جائے کیوں

معصومیت بھی ہے ترے کافر جمال میں

بسملؔ اگر نہیں ہے محبّت اِسی کا نام!

تو پھر یہ اضطراب سا کیا ہے وصال میں

غزل

جو اپنی محبت کی جولانیاں ہیں
محبت کے دریا کی طغیانیاں ہیں

کوئی بے تمنا نہیں ہے پریشاں،
تمنا سے ساری پریشانیاں ہیں

وفائیں نہیں اب ہماری وفائیں!
یہ ناکامیوں کی پشیمانیاں ہیں

نگاہوں میں چلتے ہیں سب کام ان کے
بہت سخت جن کی نگہبانیاں ہیں

جو کل تک نہیں وابستۂ عشقِ بسمل!
وہی مشکلیں آج آسانیاں ہیں

غزل

محبّت تم سے بے اندیشۂ جاں کر رہا ہوں میں
تمہاری ہی محبّت کو نگہباں کر رہا ہوں میں

محبّت کو جُدا از کُفر و ایماں کر رہا ہوں میں
مُرتّب اِک نئی تاریخِ انساں کر رہا ہوں میں

ترے دردِ محبّت کا جو درماں کر رہا ہوں میں
مِٹا کر دِل سے اب شائستۂ جاں کر رہا ہوں میں

محبّت ہی مِرے ہر کام کو مُشکل بناتی ہے
محبّت ہی سے ہر مُشکل کو آساں کر رہا ہوں میں

نہ ہونا، لائقِ زندانِ ہستی، اَمرِ دیگر ہے
مگر پابندیِ آئینِ زنداں کر رہا ہوں میں

شکستِ عہد پر تجدیدِ پیماں کر رہے ہیں وہ
فراہم دِل کے اجزائے پریشاں کر رہا ہوں میں

محبّت میں پشیمانی کا میری کچھ یہ عالَم ہے
کہ جیسے اب محبّت کو پشیماں کر رہا ہوں میں

جُنوں سے کِس قدر شرمندۂ ذوقِ فراواں ہوں
گریباں دَھجّیاں تا دَورِ داماں کر رہا ہوں میں

رہوں گا مطمئن کیا صرف اِتنے ہی تعلّق پر،

محبّت کو تو صرفِ شوقِ جاناں کر رہا ہوں میں

دل اُن کا، جان اُن کی، عشق اُن کا، آرزو اُن کی

مگر با ایں ہمہ کچھ اُن پہ قرباں کر رہا ہوں میں

جب آنکھیں اُٹھ گئیں دیکھا کہ ہے کچھ اور ہی عالم

عجب نظّارۂ حُسنِ فراواں کر رہا ہوں میں

محبّت سے کہیں اُس کا تحمّل ہی نہ ہو مشکل

محبّت کے بھروسے پر جو ارماں کر رہا ہوں میں
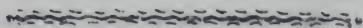
غزل

ہماری جان خود لے کر قضا کا نام لیتے ہیں

جو پختہ کار ہوتے ہیں وہ کب الزام لیتے ہیں

شروعِ عشق میں کس کس طرح ہم کام لیتے ہیں

ہمیں شکوے بھی کرتے ہیں ہمیں الزام لیتے ہیں

محبّت میں خدا جانے ہوئیں رسوائیاں کس سے

مَیں اُن کا نام لیتا ہوں، وہ میرا نام لیتے ہیں

ہمیں بیکس ہی رہنے دو، مگر ہاں اُن کو سمجھا دو
ہماری بیکسی پر جو تمہارا نام لیتے ہیں!

کبھی دیکھا او محبّت! بیکسوں کا پھوٹ کر رونا
تصوّر میں وہ جب دامن کِسی کا تھام لیتے ہیں

ہمیں اِس واسطے ظالم نے مارا ہے تغافل سے
کہ دیکھیں اب قیامت میں یہ کِس کا نام لیتے ہیں

معاذ اللہ، اندازِ ستم کافر حسینوں کا!
جفائیں چھوڑ کر جب یہ وفا سے کام لیتے ہیں

کہیں رہنے نہ دے آشوبِ دُنیا چین سے جِن کو
وہ فتنے آ کے محفل میں تری آرام لیتے ہیں

محبّت اور یہ بے چارگیٔ بسمل، معاذ اللہ
کہ ہم بیداد سے داد دلِ ناکام لیتے ہیں!

غزل

شبِ فراق، شبِ انتظار بھی تو نہیں!
نصیب لذّتِ بیدادِ یار بھی تو نہیں!
تری جفاؤں کا شکوہ کروں میں کس دل سے
تری جفائیں مجھے ناگوار بھی تو نہیں!
جو تجھ پہ مرتے ہیں، کس بات پر وہ مرتے ہیں
کسی کی موت پہ تُو سوگوار بھی تو نہیں!

بقدرِ عشق نہیں ہے اگرچہ میری وفا!
مگر جفا سے تری شرمسار بھی تو نہیں

حریمِ ناز میں کیا سرفرازیاں ہوں نصیب
مَیں پائمالِ سرِ رہگذار بھی تو نہیں

کسی کے غم کی یہ مجبوریاں، معاذ اللہ!
مجالِ خندۂ بے اختیار بھی تو نہیں

زمینِ شعر میں کیوں گُل فشاں نہ ہو بسمل
زمینِ شعر کم از کوئے یار بھی تو نہیں!

غزل

عشق ہوں تو شمعِ حُسنِ یار کا پروانہ ہُوں!
حُسن ہُوں تو میں چراغِ کعبہ و بتخانہ ہُوں
میری ہستی کارفرما ہے جہاں تک دیکھئے
رِند ہُوں مَیں، جام ہُوں مَیں، ساقیِ میخانہ ہوں
کوئی دیوانہ مُجھے کہتا ہے، سودائی کوئی
واقعہ یہ ہے کہ محوِ جلوۂ جانانہ ہوں

میں ہوں اُن کی ابتدا، اور وہ ہیں میری انتہا

ختم ہو جو حُسن پر وہ عشق کا افسانہ ہُوں

ہاں جلا دے، خاک کر دے، پھونک دے ہستی مری

تُو تو شمعِ حُسن ہے، مَیں تو ترا پروانہ ہُوں

تم ہو عالَم، تم سے ہے عالَم، مگر با ایں ہمہ

تُم ہو عالَم آشنا، میں تُم سے بھی بیگانہ ہُوں

ہیں حُدودِ شرع باہر نہیں بسمل، مگر،

کہنے دو جو کچھ کہوں، دیوانہ ہُوں، دیوانہ ہُوں
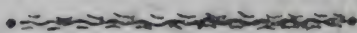
غزل

نشّے میں بندگی کے یوں چُور ہو گیا ہوں

کوئی یہ سمجھے جیسے مغرور ہو گیا ہوں

اُس بزمِ بیخودی میں ہر اِک یہ جانتا ہے،

نظروں میں اُن کی مَیں ہی منظور ہو گیا ہوں

اب میں ہوں اور نہ وُہ ہیں، نظّارہ ہے نہ جلوہ

یا پاس آ گیا ہوں یا دُور ہو گیا ہوں!

کُچھ جذبِ آستاں نے مجبور کر دیا ہے
کُچھ ذوقِ بندگی سے مجبور ہو گیا ہوں

کُچھ تو جفا میں اُن کی ملتی ہے مجھ کو لذّت
اور کُچھ وفا سے اپنی مجبور ہو گیا ہوں

ہیں تجھ سے دُور رہ کر تھا تیرے پاس گویا
پاس آگیا تو جیسے کُچھ دُور ہو گیا ہوں

شہرت کو عاشقی کی ہیں مجھ پہ نازِ کیا کیا!
جب سے مَیں تیرا بسمل مشہور ہو گیا ہوں
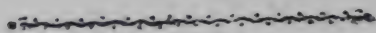
غزل

کبھی مانوسِ تمنّا نہیں دیکھا تُم کو!
چاہے جانتے ہیں مگر اہلِ تمنّا تُم کو!

اپنی ناکامِ نگاہوں کی قسم کھاتا ہوں
جو تمہیں دیکھ سکا اُس نے نہ دیکھا تُم کو!

باہمہ حسرتِ دیدار وہمہ ذوقِ نظر،
آنکھ بھر کر کبھی میں نے نہیں دیکھا تُم کو

دل دھڑکنے ہی لگا، آنکھ جھپکنے ہی لگی!
باوجودیکہ بہت دُور سے دیکھا تُم کو

اے زہے عشرتِ نظّارہ و معراجِ نظر!
میں نے جب اپنی طرف دیکھنے دیکھا تُم کو

نہ ہوئی جذبِ محبّت کی گوارا توہین!
کہ خُدا سے بھی دُعا کر کے نہ مانگا تُم کو

مُجھ کو ہر ظُلم گوارا ہے تمہارا لیکن،
یہ گوارا نہیں، کہتی ہے جو دُنیا تُم کو

کیوں کر امکانِ محبّت کی حدیں توڑ سکے
کس طرح چاہے کوئی حسبِ تمنّا تُم کو

نا رَوا اُن کی ہر اِک بات ہو بسملؔ لیکن
اُن سے یہ کون کہے ، یہ نہیں زیبا تُم کو!
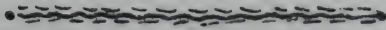
غزل

آساں نہیں ہے دوستی رکھنی کسی کے ساتھ

دُنیا کی دُشمنی ہے نری دوستی کے ساتھ

کیا جبر و اختیار ہے اِس آدمی کے ساتھ

ہے بندگی کی قید بھی آزادگی کے ساتھ

عالم پہ ہیں مُحیط مری حِسّیاتِ قلب،

آزُردہ ہے جہاں مری آزُردگی کے ساتھ

جتنا ہوں تجھ سے پاس میں اُتنا ہی دُور ہوں
بڑھتی ہے یعنی بے خبری آگہی کے ساتھ

ہے پُرسشِ فرائض و اعمال روزِ حشر
ماخوذ خضر بھی ہیں مری گمرہی کے ساتھ

کیا فرض ہے ہر ایک گُنہ کا مواخذہ
شرطِ قبولیت ہے اگر بندگی کے ساتھ

کیوں عشق میں ہے اُن سے اُمیدِ وفا مجھے
شاید کسی نے کی ہے وفا بھی کسی کے ساتھ

تنہائی میں تو لُطفِ عبادت ہی خوب ہے
بسمل مزا شراب کا آتا ہے پی کے ساتھ

غزل

کسی کے عشق میں اللہ رے یہ بیگانگی اپنی
نہ اپنی زندگی اپنی، نہ اپنی موت ہی اپنی

محبت نے کسی کی چھین لی ہے زندگی اپنی
نہ اب کوئی غم اپنا ہے، نہ اب کوئی خوشی اپنی

قیامت ہے وہ غم جس غم سے یاد آئی خوشی اپنی
نظر آتی ہے اپنے آنسوؤں میں اب ہنسی اپنی

وہ لمحے بیکسانِ عشق کے ننگِ محبت ہیں
کہ جن لمحوں میں ہو محسوس اُن کو بیکسی اپنی

کچھ اُن کا حُسن بھی بیگانۂ ذوقِ محبت تھا
کچھ اُن کے حُسن کے لائق محبت بھی نہ تھی اپنی

خُدا توفیق دے ایفائے عہدِ قتل کی اُن کو،
مجھے معلوم ہوتی ہے اب اپنی زندگی اپنی!

ہمارا دِل ہے ذوقِ آرزومندی ہے اور ہم ہیں
رکھے حُسن اب خودی اپنی محبت بیخودی اپنی

غرورِ حُسن ہے اور ہر اَدائے بے نیازانہ کی
نیازِ عشق ہے اور ہر نگاہِ ملتجی...... اپنی

فضائے خُلد میں طاری ہو جیسے خواب کا عالم
کسی کو دیکھ کر اللہ رے از خود رفتگی اپنی

نہیں اپنے کسی مقصد سے خالی کوئی بھی سجدہ
خدا کے نام سے کرتا ہے انساں بندگی اپنی

خوشی کے نام سے نفرت ہی جب سے ہم یہ سمجھے ہیں
کہ بنتی ہے کسی ناشاد کے غم سے خوشی اپنی

وہ شاید زندگی سے قبل اپنی موت تھی بسمل
کسی کے عشق سے پہلے جو گذری زندگی اپنی!

غزل

بیانِ حسن کے قابل کہاں زباں میری
بقدرِ عشق نہیں طاقتِ بیاں میری

بغیرِ عزم و اِرادہ ہیں کاروبارِ جنوں
نہیں ہے میری طبیعت بھی رازداں میری!

یقیں نہ آئے کسی اور کی طرف سے مجھے،
اگر سنائے کوئی مجھ کو داستاں میری!

سمجھ سکے گا کوئی کیا سیاستِ صیّاد
قفس میں رکھّی ہے تصویرِ آشیاں میری!

ہر ایک چیز ادا کر رہی ہے فرض اپنا،
بیان غیر کا، بزم اُن کی، داستاں میری!

مری دُعائیں ابھی کامیاب ہو جائیں
تری نگاہیں جو ہو جائیں ہمزباں میری

اِسی بناء پہ یہ انجام ہے قفس میں مِرا
گُلوں پہ رکھّی تھی بُنیادِ آشیاں میری!

چلے گئے ہیں وہ دامن جھٹک کے جس دن سے
بھڑک رہی ہے اُسی دن سے شمعِ جاں میری

اَب اُس نظر کو مِرا آخری سلامِ وفا،
جو بن گئی تھی کبھی عمرِ جاوداں میری

مِری طرف سے جنوں الوداع کہہ دینا
جو منتظر ہوں محبت کی وادیاں میری

ہلاکِ حُسن کے عنوان سے محبت نے
لکھی ہے خونِ تمنّا سے داستاں میری

وہ باوفا، نہ عدو باوفا، مگر بسمل،
یہ قہر ہے کہ محبت ہو درمیاں میری

غزل
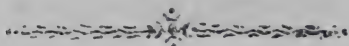
پھر مِل نہ جائے خاک میں تو کیا کرے کوئی
جب وہ یہ چاہتے ہیں کہ سجدہ کرے کوئی

اِس زندگی کو عشرتِ امروز چاہیئے
مجھ سے تو روز وعدۂ فردا کرے کوئی

رہنے کو بے نیازِ تمنّا رہا کریں،
لیکن وہ چاہتے ہیں تمنّا کرے کوئی

جیسے کسی نے مجھ سے مجھے چھین سا لیا
اِس طرح سے تو تجھ کو نہ دیکھا کرے کوئی

جب ماورائے عشق و تمنّا ہو ذوقِ دِل
کمبخت فرطِ شوق میں پھر کیا کرے کوئی

اب حُسنِ خود نُما میں سمایا ہُوا ہے عشق
اب چشمِ خود نِگر سے بھی پردا کرے کوئی

مجبوریوں پہ حُسن کی قربان جان و دِل
مجبور ہو کے مُجھ کو نہ دیکھا کرے کوئی

توفیقِ حُسن گر نہ ہو جُرأت فزائے عشق
کِس کی مجال ہے کہ تمنّا کرے کوئی

میرے جنونِ شوق پہ سب کی نگاہ ہے
اُن کے جمال کو بھی تو دیکھا کرے کوئی

مُجھ سے تو پُوچھتا ہے ہر اِک میرے حال کو
اُن کی نِگاہ سے بھی تو پُوچھا کرے کوئی

رہ رہ کے اب وہ آپ جھجکتے ہیں اِس طرح
جیسے کِسی کو دیکھ کے پَردہ کرے کوئی

اَللہ رے ذوقِ عشق تری بے پناہیاں
بڑھتا ہے شوق جِتنی تمنّا کرے کوئی

وہ تو خیال ہی میں ہو اُن سے مخاطبت
کیا کہہ کے ورنہ اُن کو پُکارا کرے کوئی

بسملؔ غرورِ عشق بھی ہے نازِ حسن سے
میری طرف بھی کاش نہ دیکھا کرے کوئی!

غزل

نہ پوچھو زندگانی غفلتوں میں کھونے والوں کی

قفس میں آنکھ کھلتی ہے چمن میں سونے والوں کی

ڈھے جاتے ہیں سینوں میں دلوں کے عرش تک ظالم

خبر بھی ہے بغیر آنسو بہائے رونے والوں کی

کچھ اتنی ہی زیادہ چشمِ ہستی میں ہے سنگینی!

طبیعت جس قدر نازک ہے پتھر ڈھونے والوں کی

دیانتداریوں سے عشق کی واقف نہیں ہر اک
امانت زندگی رہتی ہے جاتیں کھونے والوں کی!

ابھی اے عشقِ غارت گر نہ چھوڑ اِس حال میں مجھ کو
ابھی تو ہنسنے والوں سے کمی ہے رونیوالوں کی

محبت جب سُلانے لگتی ہے فرقت کی راتوں میں
دِلوں میں جاگنے لگتی ہیں روحیں سونے والوں کی!

بُرائی کرنے والوں کا بُرا انجام ہے بسمل
کنوئیں خس پوش ہیں راہوں میں کانٹے بونے والوں کی

•:•:•:•:•:•:•:•:•:•

غزل

یہ عُمرِ مُصیبت کی بَسَر ہو کے رہے گی
جب شام ہُوئی ہے تو سَحَر ہو کر رہے گی

افسردگیٔ دِل، گُلِ تَر ہو کے رہے گی
آہِ سَحَرِی، بادِ سَحَر ہو کے رہے گی

خود اُن کے تغافُل کی عنایت سے کسی دِن
اُن کو مِری حالت کی خبر ہو کے رہے گی

وہ برقِ تجلّی جو ابھی کعبۂ دل ہے

اِک روز وہ مسجودِ نظر ہو کے رہے گی

یا قابلِ سجدہ ہی رہے گا نہ درِ حُسن

یا میری جبیں قابلِ در ہو کے رہے گی

سیراب نظر ہو گی مری یا گُلِ تر سے

یا ختم بہارِ گُلِ تر ہو کے رہے گی

اب اُن کی جفائیں نظر انداز نہ ہوں گی

اب میری وفا نذرِ نظر ہو کے رہے گی

جو غفلتِ آزادیِ گلشن میں کٹے گی،

اُس رات کی زنداں میں سحر ہو کے رہے گی!

غزل

نگاہِ حُسن جو مانوسِ دِلبری نہ رہی،
جہانِ حُسن میں رسمِ ستمگری نہ رہی
فریبِ سادگیِ چشمِ حُسن ارے توبہ،
کہ اَب نِگاہ میں جیسے فسوں گری نہ رہی
کیا ہے عشق نے جس دِن سے حُسن کو سجدہ
زمیں پہ عرش کو اُس دِن سے برتری نہ رہی

نہ جانے خودروئ شوق کس جگہ لے آئی

کہ گمرہی مری محتاجِ رہبری نہ رہی

دل و جگر میں بہم رشک ہے جراحت پر،

تری نگاہ میں اب عدل گستری نہ رہی

کسی نے ڈوب کے جب سے کیا ہے اِس کو عبور،

محیطِ عشق میں رسمِ شناوری نہ رہی

نیازِ عشق پہ تھی منحصر نوازشِ حُسن،

وہ بندگی نہ رہی، بندہ پروری نہ رہی

دُکانِ عشق پہ ہے اپنے دِل کی ہستی مُفت

وہ جنسِ شوق کہ محتاجِ مُشتری نہ رہی

نصیبِ عشق ہو عرفانِ حُسن نا ممکن،

اگر مذاقِ محبّت میں کافری نہ رہی

اگرچہ شوق، غم افزائے عشق ہے بسمل؛

مگر فزونیٔ غم میں فزوں تری نہ رہی!

غزل
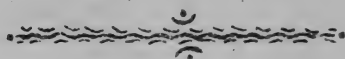
گفتگو ہے یہ مئے عشق کے سرشاروں کی

ہوشیاری نہیں تقدیر میں ہشیاروں کی!

نخوت و ناز کا پھر اُس کی ٹھکانہ کیا ہے

بے نیازی ہو صفت جس کے طلبگاروں کی!

موت آزاد کئے دیتی ہے اک اک کر کے

کچھ خبر بھی ہے تمہیں اپنے گرفتاروں کی

مجھ سے نفرت بھی ہے اندازۂ غم کا بھی ہے شوق
دیکھ لیتے ہیں وہ صورت مرے غمخواروں کی

بادلوں میں نظر آتی ہے جو بجلی بمشکل
یہ چمکتی ہوئی تقدیر ہے میخواروں کی!

غزل

دِل میں جو دردِ عشق ہے، درد نہیں سرور ہے
آنکھ میں اشکِ غم جو ہے، اشک نہیں ہے، نور ہے!

ذوقِ نظر ہے یا کوئی جلوہ بے ظہور ہے
محوِ طلسمِ شوق ہوں، غیب ہے یا حضور ہے!

آنکھ سہی قرار سے، دِل ابھی ناصبور ہے
حُسن کی جلوہ گاہ سے منزلِ عشق دُور ہے!

صُبح سے شام دُور رہی، شام سی صُبح دُور رہی!

عالمِ صُبح وشامِ عشق جیسے کہ بے شعور رہی!

غم سے ہی رُوح بھی حزیں، درد سی دل حضور رہی

آہ وہ مقصدِ حیات، ہائی جو اَب بھی دُور رہی!

جَلوۂ حُسنِ ذات سے وہ بھی ہنوز دُور رہی،

جِس کے نَفَس نَفَس میں اِک جلوۂ برقِ طور رہی

جیسی کِسی کی چشمِ شوق، ویسا ترا ظُہور رہی،

مِہر میں ہے تری ضِیا، ماہ میں نیر انور رہی!

جِتنا میں اُس سے پاس ہوں، اُتنا وہ مُجھ سی دُور رہی

جِتنا مُجھے نیاز ہے، اُتنا اُسے غرُور رہی!

عقدۂ مرگِ عاشقی کھولنا چاہ رہا ہے وہ،

مسئلۂ حیات پر جتنا جسے عبور ہے

اب دلِ دردمندِ عشق ایک بھی ٹھیس کا نہیں،

درد کی کائنات میں سانس نہیں ہے شور ہے!

قلب و نظر میں کیا بنے، فرق سا فرق ہے کوئی

عشق میں جو شعور ہے، عقل میں وہ قصور ہے

طالبِ دید کی اُمید دل میں گھُٹ کے رہ گئی

اُس کی نظر نہیں ہے اب جلوۂ برقِ طور ہے

کس سے کہوں نزاکتِ صورتِ حالِ دل کہ اب

عشق بھی دُور دُور ہے حُسن بھی دُور دُور ہے

بسملؔ اگرچہ اب نہیں فرصتِ کاروبارِ عشق

پائے طلب نہیں مگر ذوقِ طلب ضرور ہے

غزل

ہوتی ہے محسوس اِک مُشکل پسِ مشکل مُجھے،

یہ نظر آتا ہے شاید اپنا مُستقبل مجھے

چھوڑ دے اے انتہائے عشق کی منزل مُجھے

عِشق ہے درکار اُن کے حُسن کے قایل مجھے!

تم بنا لو اپنی بزمِ عیش کے قابِل مُجھے!

بھیک دِلوا دو رقیبوں سے نشاطِ دِل مجھے

اپنا ہر نقشِ قدم منزل سمجھتا تھا کبھی

آج ہر منزل بھی ہے اِک جادۂ منزل مجھے

ہے وہی میری تمنّاؤں کا ذمّہ دار بھی،

جس نے اُن کو حُسن دے کر دیدیا ہے دِل مجھے

ہائے مجبوریٔ عشق و وائے تابِ رشکِ غیر،

وُہ سمجھتے ہیں شریکِ عشرتِ محفل مجھے

حال ہے یا ماورائے حال کچھ کُھلتا نہیں،

جانے کس عالم میں رکھتی ہے تِری محفل مجھے

اَللہ اَللہ بے پناہی جُستجوئے شوق کی،

اور اِک منزل بتا دیتی ہے ہر منزل مجھے

آج تک جاری ہے تکمیلِ کرم کا سلسلہ،
غم دیا جاتا ہے تسمیل برینائے دل مجھے!

غزل

اِس طرح دنیا میں دِل کو محرمِ غم کیجیے ؛
جب خوشی کوئی میسّر ہو تو ماتم کیجیے !
عشق سے پھر سلسلہ جنُبانیٔ غم کیجیے ،
زندگی پر موت کو پہلے مُقدّم کیجیے
حُسن کی جانب نگاہِ شوق یا کم کیجیے
یا نگاہِ شوق کو اک عہدِ مُحکم کیجیے

موت کا کیا، موت کا تو سَو طرح غم کیجئے
زندگی ناشاد کا کس طرح ماتم کیجئے

دیکھ کر اہلِ طَرَب کا ساز و سامانِ طَرَب
بدنصیبوں کا ذرا اندازۂ غم کیجئے!

جانے کس عالَم کی حَسرت میں ہیں نظریں مُضطرب
وَرنہ کیا نَظّارۂ حُسنِ دو عالم کیجئے!

اَب جُنوں کی سرحدوں سے آملا ہے جوشِ عشق
کچھ سمجھ کر اب لِگاہِ حُسن برہم کیجئے!

اِہلِ عِشرت! اپنی بزمِ عیش و عشرت کے قریب
احتیاطاً منعقد اِک بزمِ ماتم کیجئے

آنسوؤں کا پونچھنے والا ہی جب کوئی نہ ہو
آہ کس اُمّید پر آنکھوں کو پُرنم کیجیے

غم کو ہونے دیجیے ہو جس قدر مانوسِ دِل
دِل کو جتنا ہو سکے بیگانۂ غم کیجیے!

پھر قفس سے چھوٹ کر آئیے، چمن میں پھر وہی
آشیاں کے واسطے تِنکے فراہم کیجیے

ہیں نگاہوں کی حدوں سے دُور ابھی بیباکیاں
شوخ چِتون سے غُرورِ حُسن کو کم کیجیے!

تا کجا آوارۂ نظّارہ چشمِ حُسنِ دوست،
جمع اِک مرکز پہ کیوں کر حُسنِ عالَم کیجیے

ہر خوشی نے اِس نتیجے پر ہمیں پُہنچا دیا

جب خوشی کوئی میسّر ہو تو ماتم کیجیے

آرزو سے بڑھ کے دشمن کوئی اِنساں کا نہیں

جس قدر ممکن ہو تبدیل آرزو کم کیجیے!

غزل
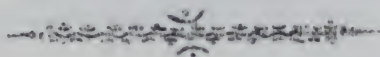
چھپ کے نظروں سے مری دل میں جو پنہاں ہوں گے

ایک دن وہ مری نظروں سے نمایاں ہوں گے

اِس جہنّم میں ابھی خُلد بہ داماں ہوں گے،

ابھی دنیا میں ہزاروں ترے خواہاں ہوں گے

تیرے اندازِ تبسّم، یہ نشاطِ محفل،

کِسی کمبخت کے دِل میں غمِ پنہاں ہوں گے

کس قدر حوصلہ افزائے نظر ہیں جلوے

جتنا دیکھو اُنھیں اُتنے ہی نمایاں ہوں گے

چشمِ مُشتاق کہاں گرتی ہے سجدے میں ابھی

وہ ابھی اور، ابھی اور نُمایاں ہوں گے

میں سمجھتا تھا مرے دردِ محبّت کی قسم

آپ اِک روز مرے درد کا درماں ہوں گے

درد دیتے ہوئے اندازِ نوازش اُن کا

جیسے خود ہی تو کبھی درد کا درماں ہوں گے

دردِ دِل آپ بڑھاتے ہیں، بڑھائیں، لیکن

ایک دِن آپ ہی اِس درد کا درماں ہوں گے

اب تو اِس درد کو میں دِل سے نہ جانے دوں گا

اب اگر وہ بھی مرے درد کا درماں ہوں گے

دیکھئے حشر میں کیوں کر ہو مکافاتِ عمل

مُجھ پہ ہوں گے جو سِتم، غیر پر احساں ہوں گے

لذّتِ جَور کوئی غیر کے دل سے پُوچھے

ہائے وہ ظُلم جو در پردۂ احساں ہوں گے

وعدہ کرتے ہیں کِس اندازِ پشیمانی سے،

کوئی سمجھے کہ ابھی آور پشیماں ہوں گے

ہے ابھی وقت بہ ہر حال ہیں زندہ ہوں ابھی

جان دیدوں گا اگر آپ پشیماں ہوں گے

جب کسی بات پہ چاہیں وہ پشیماں ہونا
ایک اِک کر کے سب انداز پشیماں ہوں گے

ہیں وہ دشمن کے تو ہیں عشرتِ دشمن بن کر
میرے ہوں گے تو مِرا حالِ پریشاں ہوں گے

اُن کا در چھوڑ کے او ننگِ محبّت او رشک!
ارے کمبخت یہ سجدے جو پریشاں ہوں گے

میرے ارمانوں پہ جلتے ہیں جو صورت سے مِری
اُن کی صورت سے نمایاں مِرے ارماں ہوں گے

زندگی عشق کی ہے صرف جوانی بسمل
پھر نہ ہم ہوں گے نہ دل ہوگا نہ ارماں ہوں گے

غزل

جہاں سے عشق چاہے زندگی آزار ہو جائے
مُسلسل قہقہہ اِک آنسوؤں کا تار ہو جائے

کم از کم اِس قدر تو آدمی ہُشیار ہو جائے
کہ جب دُنیا نہ آئے راس تو بیدار ہو جائے

کبھی چھیڑا تو کر مِضرابِ غم سے سازِ ہستی کو
نشاطِ زندگی ہے دِل اگر بیدار ہو جائے

مجھے رونا ہے آسانی سے رُلواوں گا مقدّر کو
مگر مجھ پر تمھیں ہنسنا کہیں دشوار ہو جائے

بہاریں زندگی کی یوں مری قسمت میں لکھّی ہیں
کہ میں جس پھول کو دامن میں رکھّوں خار ہو جائے

کوئی اِس زندگیٔ عشق کی نگرانیاں دیکھے
کہ جب مصروفِ خواب آنکھیں ہوں دل بیدار ہو جائے

محبّت ہی سبب ہوتی ہے میری ہر تباہی کا
مگر تیری نگہ جب تک نہ ذمّہ دار ہو جائے

کبھی اے آفتاب، ایسی بھی کوئی صبح پیدا کر
صدا ناقوس کی سُنکر حرم بیدار ہو جائے

تجھے اپنی نظر سے دیکھنے والوں نے دیکھا ہو

کبھی میری نگاہوں سے ترا دیدار ہو جائے

خدا کے واسطے رہنے بھی دو وابستہ نگاہوں کو

کہیں مایوس ہونا بھی مجھے دشوار ہو جائے

نہ ملنے پائے راحت حُسن کے عشرت کدے میں بھی

محبت جب کسی کے درپئے آزار ہو جائے

سمجھتا ہوں تمہارے بے سبب ترکِ جفا کو میں

کہ رُودادِ وفا ناقابلِ اظہار ہو جائے

وہ کیفِ خوابِ چشمِ سُرمگیں ہیں صبح سے پہلے

رُخِ گُل رنگ میں جب اِک سحر بیدار ہو جائے

مُقدّر کی خوشی اُس بزم میں بسمل نہ غم کوئی
مگر جس طرح کی جس پر نگاہِ یار ہو جائے
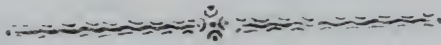
غزل

محبّت میں کہیں یوں بھی کوئی برباد ہوتا ہے

کہ جو عالم گذر جاتا ہے مجھ کو یاد ہوتا ہے

وہاں انساں کا ہر عشرت کدہ برباد ہوتا ہے

جہاں پھیلا ہوا اِک دامنِ فریاد ہوتا ہے

دلِ مایوس اب لذّت کشِ بیداد ہوتا ہے

وفا برباد کر کے اب ستم برباد ہوتا ہے

سکوتِ لب وہاں اِک عالمِ فریاد ہوتا ہے
جہاں کوئی فریبِ لطف سے برباد ہوتا ہے

دمِ آخر جو بیٹھے ہیں مِری بالیں پہ رونے کو
وہ کیا سمجھیں کہ اِک پابندِ غم آزاد ہوتا ہے

نہ چھیڑو اب دلِ ناشاد کو مایوس رہنے دو
تسلّی سے تمھاری اور بھی ناشاد ہوتا ہے

خرابِ عشق ہونا غایتِ مفہومِ ہستی ہے
وہ دِل آباد ہو جاتا ہے جو برباد ہوتا ہے

نہیں ہے شاد کامِ آرزو ہونا اگر اُن سے
تو پھر اُن کے تصوّر سے بھی دِل کیوں شاد ہوتا ہے

وہ قیدِ زندگی کو بھی گوارا کر نہیں سکتا،

محبت کرنے والا کِس قدر آزاد ہوتا ہے

خدا احساسِ رشکِ غیر کی منزل گزروا دے

یہاں رہ کر مرا ذوقِ وفا برباد ہوتا ہے

ستم کرتے ہو تو ذوقِ ستم سے بدگماں کیوں ہو

کہیں فریاد سے اندازۂ بیداد ہوتا ہے

مُرتّب حُسن کی فِطرت کا اِک قانون ہو جس سے

وہ میرے عشق کا ہر جذبۂ برباد ہوتا ہے

جہانِ عشق میں دِل کی پرستش گاہ کچھ بھی ہو

مگر آنکھوں کا اِک کعبہ الگ آباد ہوتا ہے

در و دیوارِ زندانِ محبّت پر یہ لکھا ہے

یہاں جو قید ہوتا ہے وہ بے میعاد ہوتا ہے

یہ اُن کی بے نیازی ہے کہ وہ سجدوں کو ٹھکرا دیں

کہیں اپنا مذاقِ بندگی برباد ہوتا ہے

جنونِ عشقِ بسملؔ اِن خیالوں ہی کو کہتے ہیں

کہ جن سے شاد فرقت میں دلِ ناشاد ہوتا ہے

غزل

کب تک رہے خبر ہی نہیں، ہم کہاں رہے

عُشّاق بے نیازِ زمان و مکاں رہے

جِس آرزو میں تیری خوشی بھی نہ ہو شریک

وہ آرزو نصیبِ دلِ دشمناں رہے

اللہ رے اعتبارِ محبّت کی مُشکلیں

ہر جُنبشِ نِگاہ پہ وہ بد گماں رہے

اب یوں گذر رہی ہے محبّت میں زندگی

جیسے اندھیری رات میں دریا رواں رہے

اُن دو جوانیوں پہ محبّت کی مار ہو،

جن دو جوانیوں کے خُدا درمیاں رہے

یارب تلافیٔ غمِ مافات کے لئے

اِک دِن قفس ہی بن کے مِرا آشیاں رہے

دِل کیا ہے جان دے کے محبّت خرید لے

ارزاں ہے جِس قدر بھی یہ سوداگراں رہے

کِس کام کی مساعدتِ وقت و اِتّفاق

کمبخت ناموافق اگر آسماں رہے

اُن کا پتہ نہ حُسن کو ہے اور نہ عشق کو،
جو واقعات اُن کے مرے درمیاں رہے

پُہنچے نہ آہ لے کے قفس کی اُداسیاں
یارب ہَوا کا رُخ نہ سُوئے آشیاں رہے

مسرُورِ جن سے عشق تھا مغرُور جن پہ حُسن
سجدے وہ اب رہے، نہ وہ اب آستاں رہے

میرے بھی دل میں تم سے وہ دیکھی نہ جائے تو
دنیا میں تم بتاؤ محبّت کہاں رہے

اللہ رے شوق، منزلِ مقصود آ گئی!
سو مرحلے اگرچہ ابھی درمیـ

اب یوں گذر رہی ہے محبّت میں زندگی

جیسے اندھیری رات میں دریا رواں رہے

اُن دو جوانیوں پہ محبّت کی مار ہو،

جن دو جوانیوں کے خُدا درمیاں رہے

یارب تلافیٔ غمِ مافات کے لئے

اِک دِن قفس ہی بن کے مِرا آشیاں رہے

دِل کیا ہے جان دے کے محبّت خرید لے

ارزاں ہے جس قدر بھی یہ سوداگراں رہے

کِس کام کی مساعدتِ وقت و اِتّفاق

کمبخت ناموافق اگر آسماں رہے

اُن کا پتہ نہ حُسن کو ہے اور نہ عشق کو،

جو واقعات اُن کے مرے درمیاں رہے

پُہنچے نہ آہ لے کے قفس کی اُداسیاں

یارب ہَوا کا رُخ نہ سُوِ آشیاں رہے

مَسرُورِ حِسن سے عشق تھا مَغرُورِ حِسن پہ حُسن

سجدے وہ اب رہے، نہ وہ اب آستاں رہے

میرے بھی دل میں تم سے وہ دیکھی نہ جائے تو

دنیا میں تم بتاؤ محبّت کہاں رہے

اللہ رے شوق، منزلِ مقصود آگئی!

سو مرحلے اگرچہ ابھی درمیاں رہے

بسملؔ غرور بن کے نہ شاعر میں گر سمائے
تو عجزِ پائمالِ تکبّر کہاں رہے!

غزل

زبان کیا ہے، محبّت کی گفتگو کیا ہے!
بجز نگاہ کے پیغامِ آرزو کیا ہے

یہ جانِ حُسن و محبّت ہے آرزو کیا ہے
نہ ہو یہ دِل میں تو، مَیں کیا ہوں اَور تو کیا ہے

لہو جو گرم نہ کر دے وہ آرزو کیا ہے
جو آرزو سے نہ گرمائے وہ لہو کیا ہے

خدا کرے، نہ کرے حُسن سے تجاوزِ عشق،

ابھی تو مجھ سے وہی کہہ رہے ہیں تُو کیا ہے

تجھے بھی بھول گئے تیرے ڈھونڈنے والے

یہ ہوش بھی تو نہیں ہے کہ جستجو کیا ہے

بجا کہ خون کی گرمی کا نام ہے انساں

نہ ہو جو گرم محبت سے وہ لہو کیا ہے

غلط سمجھ کے نہیں دیکھتا ہوں تیری طرف

یہ دیکھتا ہوں کہ اندازِ گفتگو کیا ہے

جنھیں ہے تجھ سے محبّت وہ جانتے بھی نہیں

کہ رشک کہتے ہیں کس چیز کو عدو کیا ہے

رہے الٰہی مرے دِل کی آبرو قائم
صَدَف میں ہے یہ گہر، ہو ِل میں آرزو کیا ہے
سِوائے ذوقِ نظر اور کُچھ نہیں تبسمل
یہ پُھول کیا ہیں، یہ پُھولوں میں رنگ و بُو کیا ہے
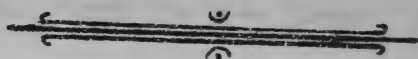
غزل

ہر سانس میں فریبِ تمنّا لئے ہُوئے
بیٹھا ہُوا ہُوں وعدۂ فردا لئے ہُوئے

وہ ہر ادا میں عرضِ تمنّا سے بے نیاز
میں ہر نظر میں عرضِ تمنّا لئے ہُوئے

کیا پھر بھی دردِ لائقِ درماں ہے چارہ گر
جب سانس درد کا ہو سہارا لئے ہُوئے

سُن اے نگاہِ شوق! یہ خاموش سازِ حُسن
آتے ہیں وہ نگاہ میں نغمہ لِئے ہُوئے

ناکام اُٹھنے والے بھی اُس بزمِ ناز سے
اُٹھتے ہیں اِک اُمید کی دُنیا لئے ہُوئے

اب میں ہوں اَور عشق کی پیہم تجلّیاں
بیٹھے رہو بَس اَب رخِ زیبا لِئے ہُوئے

وہ بے نیازِ شوق بھی، شوق آفریں بھی ہیں
بے التفاتیوں میں تقاضا لِئے ہُوئے

کمبخت رازِ عشق چھُپے تو چھُپاؤں بھی
ہر جُنبشِ نظر ہے فسانہ لِئے ہُوئے

چکّر دماغِ شیخ میں طوفِ حرم کا ہے
کعبے سے جیسے آئے ہوں کعبہ لئے ہوئے

دیکھا او وطن کی شام، سرِ راہ صبح سے
بیٹھا ہوں بیکسی کا جنازہ لئے ہوئے

(ق)
کالی گھٹائیں جیسے مرے دِل پہ چھا گئیں
جب وہ چلے گئے رُخِ زیبا لئے ہوئے

پھر میرے دِل میں جیسے نکل آئی چاندنی
جب آ گئے وہ چاند سا چہرہ لئے ہوئے

غُنچوں کو بخشنے ہیں جو ہنس کر شگفتگی،
وہ آ گئے بہار کا مژدہ لئے ہوئے

بَسہل نیاز و ناز میں کیا اِمتیاز ہو،!

ہیں دِل لئے ہوئے ہوں وہ جلوہ لئے ہُوئے
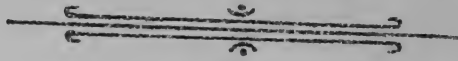
غزل

دُنیا میں ہیں ایسے بھی اِس عشق کے دیوانے
منزل نہ جنوں اُن کی، مقصود نہ ویرانے

بالیں پہ دمِ آخر اپنے ہیں نہ بیگانے،
وہ شمعِ سحر ہوں میں جس پر نہیں پروانے

بے رسمِ مے و مینا ہیں عشق کے میخانے
ساقی کی نگاہوں سے بھر جاتے ہیں پیمانے

فطرت کے اِشاروں سے غافل نہیں مستانے
بادل کے گرجتے ہی جاگ اُٹھتے ہیں میخانے

عبرت کا مُرقّع ہیں دُنیا میں وہ وِیرانے
باقی ہیں ابھی جِن کی آبادی کے افسانے

محرابِ حَرَم کب تک سجدوں کی یہ ناقدری
دینے نہ لگیں مجھ کو آواز صَنَم خانے

آزادئ گُلشن کو اندازۂ زنداں کیا
لکھے ہیں اسیری نے آزادوں کے افسانے

ملحوظ نہیں جن کی عشرت میں خوشی تیری
وہ عیش محل اِک دن بن جائیں گے غم خانے

تاریخ سے دُنیا کی ہرگز نہ مٹیں گے وہ
جو عشق نے لکھے ہیں انسان کے افسانے

کل تک تو تجھے تسلیم غیروں کی مُروّت تھی
آج اپنوں سے جاتا ہی مُنہ پھیر کے بیگانے

غزل
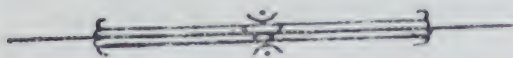
تم ہو جب میرے لئے، ہیں دو جہاں میرے لئے
یہ زمیں میرے لئے، یہ آسماں میرے لئے

اس طرح جذباتِ آزادی بہل جائیں گے کیا؟
بن رہا ہے کیوں قفس میں آشیاں میرے لئے

میں چلا جاؤں نہ گلشن چھوڑ کر قبل از بہار
کیوں گریں ساری چمن پر بجلیاں میرے لئے

رو رہا ہوں آج میں ساری جہاں کے واسطے

روئے گا کل دیکھنا سارا جہاں میری لئے

اِضطرابِ شوق سے کیا کیا ہوئی ہیں لغزشیں

اِلتفاتِ یار نے جب اِمتحاں میرے لئے

ہے محبّت کب رہینِ راہ و رسمِ ظاہری

بن گئی ہے بے نیازِ آستاں میرے لئے!

بے پناہی ہے یہی بسمل جو حسن و عشق کی

ہو گی ناکافی حیاتِ جاوداں میری لئے!
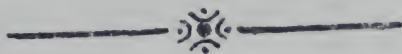
غزل

زیادہ نا امیدِ عافیت دِل ہوتا جاتا ہے
سفینہ جس قدر نزدیکِ ساحل ہوتا جاتا ہے

تغیر آشنائے بزم، ہر دل ہوتا جاتا ہے،
کسی کو کیا خبر، کیا رنگِ محفل ہوتا جاتا ہے

غمِ بربادئ دِل کا یہ حاصِل ہوتا جاتا ہے
جو آنسو آنکھ سے گرتا ہے وہ دِل ہوتا جاتا ہے

جہاں تک التفاتِ حُسن حاصل ہوتا جاتا ہے

محبت کا اثر اُتنا ہی زائل ہوتا جاتا ہے

محبّت میں مرے دِل کی نزاکت کا یہ عالم ہے

کہ احساسِ محبّت بھی تو مشکل ہوتا جاتا ہے

جِدھر مُنہ پھیرتا جاتا ہوں گھبرا کر تصوّر سے

وہ حُسنِ ہر جہت میرے مقابل ہوتا جاتا ہے

تِری محفل بھی کِتنی ہم مزاجِ عشق ہے ظالم

جو آتا ہے شریکِ رنگِ محفل ہوتا جاتا ہے

کیا تھا دِل ہی جو پیدا محبّت کی سہولت کو

وہ ارماں اب محبّت سے بھی مشکل ہوتا جاتا ہے

شروعِ عشق میں یہ صورتِ حالات ہے باہم
اِک آئینے کے آئینہ مقابل ہوتا جاتا ہے
مرے سجدوں کے نامقبول ہونے کی قسم بسمل
وہ سنگِ آستاں سجدوں کے قابل ہوتا جاتا ہے!

غزل

عُدو سے، نہ مجھ سے، نہ محفل سے پوُچھے
تجھے تو کوئی تیرے ہی دِل سے پوُچھے
یہ نخوت کوئی پھر ترے دِل سے پوُچھے
تری بات جب کوئی مشکل سے پوُچھے
وہ کب تک رہے گا خرابِ تجسُّس
جو دیوانہ منزل کو منزل سے پوُچھے

جب آ جائے چلنے پہ تیغِ محبّت

نہ قاتل سے پوچھے، نہ بسمل سے پوچھے

نہ پوچھے کوئی اُن کی محفل کی ہم سے

ہمیں اب کوئی اُن کی محفل سے پوچھے

خوشا لذّتِ زخمِ تیغِ محبّت

کہ قاتل بھی خود جس کو بسمل سے پوچھے

چلا ہوں وہاں لے کے افسانۂ غم،

جہاں بات بھی کوئی مشکل سے پوچھے

وہ اُن کی اداؤں پہ مرنے والا!

ادائیں کوئی اُن کی بسمل سے پوچھے

غزل

تمہاری بزم میں تنگ آ گیا ہوں زندگانی سے
کسی کی بدگمانی سے، کسی کی بدزبانی سے

ہُوا ہو گا وہ شادی مرگ فرطِ شادمانی سے
خوشی کیا ہو مجھے دشمن کی مرگِ ناگہانی سے

یہ عمرِ عاشقی جو موت سے بدتر گذرتی ہے
نہ بدلوں اِس کا اِک لمحہ بھی عمرِ جاودانی سے

جفا بھی تو نہیں اٹھتی، وفا کی تاب کیا ہو گی

تری نامہربانی بھی ہے بہتر مہربانی سے

مذاقِ عشق سے ہے عرصۂ ہستی کا اندازہ

حیاتِ جاودانی سے نہ مرگِ ناگہانی سے

بہ دیتے ہیں مجھے طعنے تری نامہربانی کے

جو میرا حال مجھ سے پوچھتے ہیں مہربانی سے

دمِ فکرِ سخن اک بارشِ الہام ہوتی ہے

مری آنکھوں سے جب آنسو نکلتے ہیں روانی سے

معاذ اللہ! بسملؔ آپ اندازہ لگاتے ہیں

خدا کی مہربانی کا بتوں کی مہربانی سے

سلمائیات

تیرے لیے جو آنسو آنکھوں سے بہہ رہے ہیں
آنسو نہیں ہیں سلمیٰ! آنکھوں کے قہقہے ہیں

شکوۂ احسان

سمجھ سکے گا کوئی کیونکر اُس کی بربادی
اگر کسی کے ستم کا ہو کوئی فریادی

یہ کیا کیا تری تسکینِ نامکمل نے
سُلگ رہی تھی جو دل میں وہ آگ بھڑکا دی

قبولِ عرضِ تمنّا رہے خدا کی پناہ
سکونِ دل کے بہانے سے رُوح تڑپا دی

کسی سے وعدۂ فردا کرے ہی کیوں کوئی؟

نصیب وعدۂ فردا نہ ہو جو آزادی

زہے کرشمۂ تقریر و لذّتِ تقریر

اُلجھ گیا ہوں اُسی میں جو بات سمجھا دی

گزر سکے نہ کسی طرح زندگی بسمل

ذرا سی دیر کو یوں زندگی گزروا دی

پھولوں کی انجمن

جب سے مری نظر میں سمائے ہوئے ہو تم

ہر مرکزِ نگاہ پہ چھائے ہوئے ہو تم

یوں دل میں اپنی یاد بڑھائے ہوئے ہو تم

مجھ کو بھی میرے دل سے بھُلائے ہوئے ہو تم

مقصود کوئی جس کا تمہارے سوا نہیں

وہ راہ زندگی کو دکھائے ہوئے ہو تم

کر کے شریکِ ذہن هر ے ، اپنا اک خیال

ہر فکرِ ماسوائے بچائے ہوئے ہو تم ،

اپنے لیے رہا نہ مجھے کوئی اعتبار

اتنا یقین اپنا دلائے ہوئے ہو تم ،

روشن ہوئے نہ تھے جو تمہارے جمال سے

وہ سب چراغِ شوق بجھائے ہوئے ہو تم

ہر راہِ زندگی میں اُسی کی ہے روشنی

دل میں جو ایک شمع جلائے ہوئے ہو تم

گلشن کے حسن میں متبسم بہار ہے ،

یا مسکرا کے سامنے آئے ہوئے ہو تم

ہے اختلافِ رنگ میں تم سے مناسبت

پھولوں کی انجمن کو سجائے ہوئے ہو تم

ذکرِ نشاطِ خلد پہ ہنستا ہے دل مرا

اِس غمکدے کو جب سے بسائے ہوئے ہو تم

نغماتِ شوق سے جو ہیں بیدار عکسِ صبح

اب سازِ ہر نفس کو جگائے ہوئے ہو تم

بن جائے گا ہی تو قیامت کا زلزلہ

دل میں جو ایک حشر اٹھائے ہوئے ہو تم

اب کیا کسی کی سمت اٹھے گی مری نگاہ

میری طرف نگاہ اٹھائے ہوئے ہو تم

مشتاقِ بازدید ہے وہ بسملِ حزیں
اک بار جس کے سامنے آئے ہوئے ہو تم

آج کل

اے ہمنشیں عجیب زمانہ ہے آج کل
دِل کامیابِ ذوقِ تمنّا ہے آج کل

اِک عالمِ نشاطِ مسلسل ہے زندگی
امروز ہے۔ نہ دوش، نہ فردا ہے آج کل

جن کے لئے بنا تھا زمانہ وہ دِن ہیں یہ
جو اب نہ جائے گا وہ زمانہ ہے آج کل

اللہ رے غرورِ دماغِ نشاط کا

پامالِ شوق عالمِ بالا ہے آج کل

خُم سے بھی کچھ سوا نظر آتی ہر جام میں

کیا اہتمامِ ساغر و مینا ہے آج کل

ایک ایک نگاہ منزلِ عذرا ہے ان دنوں

ایک ایک سانس محملِ لیلیٰ ہے آج کل

انگڑائیاں ہیں حسُن کی پہلوئے شوق میں

آغوش میں شباب مچلتا ہے آج کل

ہر عشوۂ حسیں میں چمکتا ہے رنگِ عشق

ہر آرزو پہ حسُن برستا ہے آج کل

ہر زیر و بم میں کیفِ دوامِ عشق ہے نہاں

بیدار وہ سازِ حسن سے نغمہ ہے آج کل

وابستگیٔ زلف کا اللہ رے سلسلہ

ہر سانس عمرِ خضر و مسیحا ہے آج کل

یہ میری دسترس سے باہر نکل نہ جائے

میری طرف سے موت کو دھڑکا ہے آج کل

اہلِ جنونِ عشق لگاتے ہیں قہقہے

اہلِ خرد میں جنگ کا چرچا ہے آج کل

دُنیا میں دو دِلوں کو ہے ملنا کہاں نصیب

جس پر فدا ہو دین وہ دُنیا ہے آج کل

پرسانِ حالِ شوق ہے وہ چشمِ منفعل
کس کو خیالِ پرسشِ عقبیٰ ہے آج کل

دے کر جو حسن و عشق ہنسبت کچھ آئے ہیں
اُس وعدۂ گناہ کا ایفا ہے آج کل

کرتے ہیں جو خدا سے گناہوں کے عفو کو
سب سے بڑا گناہ وہ تو بہ ہے آج کل

معراجِ بندگی ہے نصیبِ نمازِ شوق
داماںِ نازِ حسن مصلّیٰ ہے آج کل

مدّت ہوئی سلام خدا کو کئے ہوئے
بسمل ہے اور پرستشِ سلمیٰ ہے آجکل

سلمیٰ

سلمیٰ! خدا کے واسطے کیا تُو نے کر دیا
کس جُرم میں یہ حال مرا تُو نے کر دیا

تُو کیا خفا ہوئی کہ مری زندگی کے ساتھ
کمبخت موت کو بھی خفا تُو نے کر دیا

جو سَو قصُور، لاکھ خطا پر ہو نا روا
وہ ظلم بے قصور و خطا تُو نے کر دیا

مجبور کر دیا ہے کِسی اَور نے تجھے
اِنکار اپنے وعدوں سے با تُو نے کر دیا

اپنے قرار و قول کا تھا تجھ کو اختیار
قرآں کے احترام کو کیا تُو نے کر دیا

اب دوستوں سے آنکھ مِلاؤں گا کِس طرح
افسوس دشمنوں کا کہا تُو نے کر دیا

رہ رہ کے یاد آتا ہے اب اُس کا حرف حرف
جو دل سے محو، عہدِ وفا تُو نے کر دیا

دِل کو کیا تھا شاد بھی حد سے سِوا مگر
ناشاد بھی اب اُس سے سِوا تُو نے کر دیا

بیزار ہو گئی مِرے دِل سے ہر آرزو،
ہر آرزو سے دِل کو بُرا تُو نے کر دیا
کچھ دِن سُنا کے نغمہ سراپائے نازِ کا
ہر مُوئے تن کو نالہ سرا تُو نے کر دیا
اِس کی تو ابتدا ہی میں عشق ہے انتہا
حقِ وفائے حسن ادا تُو نے کر دیا
تقدیر سے مری جو مشیّت نے پُر فریب
وعدہ کیا تھا اُس کو وفا تُو نے کر دیا
بس، اور رہائے ہر کس و ناکس کی منّتیں
ہر ناروا کو آہ رَوا تُو نے کر دیا۔

ایک اِک دُعا فروش سے ہر خانقاہ میں
مجبورِ التماسِ دعا تُو نے کر دیا

اک منکرِ خدا کے لئے اک خدا کو کیا۔
ہر بندۂ خدا کو خدا تُو نے کر دیا

آنکھوں سے بہہ رہے ہیں مرے دل کے حوصلے
شرمندۂ خیالِ وفا تُو نے کر دیا

بس دل یہ چاہتا ہے کہ میں تجھ سے بار بار
کہتا رہوں کہ ہائے، یہ کیا تُو نے کر دیا

کتنی تھیں جس کے ساتھ مری بدنصیبیاں
اُس بدنصیب سے بھی جُدا تُو نے کر دیا

"اس گھر میں جیسے کوئی بڑی موت ہو گئی"

یوں گھر کی زندگی کو فنا تو نے کر دیا

تھا غم کی آندھیوں میں تو پہلے ہی نامراد

آخر کو گُل یہ دل کا دیا تو نے کر دیا

رونے کو کیا ہنسی کو کبھی دیکھ کر یہ دیکھ

کس طرح وقفِ آہ و بُکا تو نے کر دیا

للّٰلہ دیکھ بسملِ ناشاد کی طرف

ناشاد و نامراد کو کیا تو نے کر دیا

یاد کرو

تم اپنے قول، تم اپنے قرار یاد کرو
اور اُن پہ پھر وہ مرا اعتبار یاد کرو

جو مجھ پر اب نہ رہیں اُن نوازشوں کی قسم
نوازشوں کے وہ لیل و نہار یاد کرو

تمام دن مری حسرت بھری روزنِ در سے
نگاہِ شوق سوئے رہگزار یاد کرو

وہ شرم و شوق کے ہیجان میں شتابِ شباب
تمام رات مرا انتظار یاد کرو
ذرا خلافِ توقع مرے پہنچنے پر
وہ طرزِ گفتگو بیگانہ وار یاد کرو
وہ ہر نظر میں مجھے اک پیامِ جرأتِ شوق
وہ ہر نظر کی ادا شرمسار یاد کرو
ہزار بار قبول، ایک بار عرضِ کرم
ہزار بار نہیں ایک بار یاد کرو
کبھی وہ آپ ہی مجبور ہو کے رہ جانا
کبھی وہ مجھ پہ بھی اک اختیار یاد کرو

کبھی سکوتِ مسلسل کسی خیال میں غرق
کبھی وہ پھیر نفس بار بار یاد کرو
کبھی وہ گریۂ بے اختیار، بھول گئے!
کبھی وہ خندۂ بے اختیار یاد کرو
ذرا سکوت پہ میرے وہ سوتو ہم سے،
مری طرف نگہِ بے قرار یاد کرو
گلے سے پھولوں کے گجرے اتار پھینکے تھے
مری نظر میں تم اپنی بہار، یاد کرو
سنہری کرنوں سے جن میں کھلا تھا چاند سے رنگ
محبتوں کے وہ نقش و نگار یاد کرو

مری طرف سے بھی تسکین نہ ہو سکی جس میں

وہ اضطرابِ دلِ بے قرار یاد کرو

جو میرے شانوں پہ گرتے تھے مست آنکھوں سے

شرابِ شوق کے وہ آبشار یاد کرو

وہ اک ادا سے کبھی رُوٹھ کر کبھی من کر

بہر بہانہ وہ ذوقِ کنار یاد کرو

مری خوشی سے نہ پی کر بھی پھر مری خاطر

ادا سے بر لبِ پیمانہ پیار یاد کرو

دمِ وداع، وہ ارمانِ بازدید وہ شوق

سرور سے بھی زیادہ خمار یاد کرو

مری جُدائی گوارا ہوئی تمھیں کیونکر
تمھیں یہ ذکر بھی تھا ناگوار یاد کرو

تم اب کہاں ہو، کہاں ہے قرارِ دل کا مرے
بنے تھے تم مرے دِل کا قرار یاد کرو،

خدا کرے کبھی بے اختیار یاد آؤں
خدا کرے کبھی بے اختیار یاد کرو

بھُلا چکے سو بھُلا ہی چکے وہ اب بسملؔ
ہزار یاد دِلاؤ، ہزار یاد کرو

تیرے لئے

وقف کر کے زندگی کی ساعتیں تیرے لئے
اپنے سر لیں میں نے کیا کیا آفتیں تیرے لیے
کر لیا نظارۂ حسن اپنی آنکھوں پہ حرام
میں نے رد کر دیں نظر کی دعوتیں تیرے لئے
تیرے ملنے کے لئے ممکن تھیں جتنی صورتیں
میں نے کر ڈالیں وہ ساری صورتیں تیرے لئے

دُشمنوں کی پھبتیاں، اور دوستوں کی لعن طعن
اوڑھ لیں دُنیا کی ساری لعنتیں تیرے لیے
بیٹھ کر تیری گلی میں بیٹھنے والوں کے پاس،
خاک کر لیں اپنی شخصی عظمتیں تیرے لیے
اپنی عزت آپ کرنے کا بھی جن کو حق نہیں
میں نے اُن لوگوں کی کی ہیں عزتیں تیرے لیے
اپنی خدمت جن سے لینے میں شرافت کو ہو عار
کی ہیں اُن لوگوں کی میں نے خدمتیں تیرے لیے
کل جو میری منتیں کرتے تھکے اپنوں سے
آج میں کرتا ہوں اُن کی منتیں تیرے لیے

تیرے قدموں کے سوا اُن کی تلافی ہی نہیں

ہیں نے جو برداشت کی ہیں ذلّتیں تیرے لیے

مجھ کو جن کی قسمتوں نے کر رکھا تھا پائمال ،

روند ڈالیں ہیں نے اُن کی قسمتیں تیرے لیے

جن مزاروں پر خدا کے ماننے والے نہ جائیں

ہیں نے اُن پر جا کے مانیں مِنّتیں تیرے لیے

کفر شرمانا ہے جن سے جھینپتا ہے جن سے شرک

ہیں نے کی ہیں کیسی کیسی بدعتیں تیرے لیے

عابِلوں نے فرض پڑھوا دیں نماز یں سبکدوش

دو کی چار، اور چار کی دو رکعتیں تیرے لیے

راحتِ دارین میں بھی وہ خوشی مفقود ہے

جس خوشی سے میں نے جھیلیں آفتیں تیرے لئے

جن میں ہوتا تھا مرے دل پر نزولِ وحیٔ شعر

وقفِ آہ و نالہ ہیں وہ ساعتیں تیرے لئے

کاش تُو لکھے کہ بسمل کچھ خبر بھی ہے تجھے

کس قدر غمگین ہیں میری خلوتیں تیرے لئے

قول و قسم

پورے تمام قول و قسم ہو کے رہ گئے

آخر کو حسن و عشق بہم ہو کے رہ گئے

کیا ذکرِ عشق، حسن کے بھی دم پہ بن گئی

کیا کچھ ہمارے دم پہ ستم ہو کے رہ گئے

اب اُن دونوں کے ذکر سے دل شاد ہیں کہ جب

دونوں رہینِ رنج و الم ہو کے رہ گئے

اب اُن دنوں کی یاد سے ہیں اِن دنوں کے لطف

جتنے ستم ہوئے تھے کرم ہو کے رہ گئے

نقشے مخالفوں نے جو اپنے جمائے تھے،

وہ سب ہمارے نقشِ قدم ہو کے رہ گئے

جو دل کبھی ہمارے غموں سے تھے شادماں

ہم اُن دلوں کے واسطے غم ہو کے رہ گئے

امکان و اختیار نہ ہونے کے باوجود،

ہونا جو چاہتے تھے وہ ہم ہو کے رہ گئے

باہم نہ مل سکے جو خطوطِ متقدرہ اشتا،

اِک دوسرے سے آپ بہم ہو کے رہ گئے

ہو کر رہے نہ منفعلِ سرنوشت ہم،

محجوب ہم سے لوح و قلم ہو کے رہ گئے،

اب فرطِ اضطراب، نہ وہ جوشِ اشتیاق

آپس میں بے نیاز سے ہم ہو کے رہ گئے

پہنچے نظر نہ کیف و کمِ شوق تک اگر،

کوئی کہے کہ ولولے کم ہو کے رہ گئے

اب حسن و عشق ساجد و مسجود ہیں ہم

ہم بے نیازِ دیر و حرم ہو کے رہ گئے

سر میں سمائے تھے جو خیالاتِ بندگی

صرفِ سجود ہائے صنم ہو کے رہ گئے

جو زہرِ بے گداز سے بھیگے نہ تھے کبھی،

اُن دیدہ ہائے خشک بلیں نم ہو کے رہ گئے

جو سر خدا کے حکم کے آگے نہ جُھک سکے

وہ سر ہمارے سامنے خم ہو کے رہ گئے

بسملؔ، بہ ہوش باش، کہ اوراقِ دہر پر

افسانے ایسے لاکھ رقم ہو کے رہ گئے

کرمِ التفات

پھر یاس ہوں اور وہی کرمِ التفات ہے
زیبِ نگینِ شوق وہی کائنات ہے

پھر ہر نفس ہے اور وہی ذوقِ حیات ہے
پھر زندگی ہے اور غرورِ ثبات ہے

حسبِ مرادِ دل ہیں زمانے کی گردشیں
پھر آرزو کا دِن ہے تمنّا کی رات ہے

پھر حسن سامنے ہے جدھر دیکھنا ہو یہیں

پھر کائناتِ شوق بہشتِ جہات ہے

پھر جڑ گیا ہے ٹوٹ کے رشتہ نباہ کا

پھر ابتدا سے سلسلۂ واقعات ہے

پھر ہر معاملہ ہے کہے بن نہ سُنے بغیر

پھر ایک جان اور دو قالب کی بات ہے

لُطفِ صفاتِ عشوہ و ناز و ادا کے سَاتھ

شوقِ تمام، خلوتِ حُسنِ ذات ہے

پھر ہے بساطِ عیش پہ بازی مُراد کی

پھر آرزو کی جیت ہے، حسرت کو مات ہے

قانونِ حسن و عشق ہے اور شوقِ جرم کار

پھر اک نشاط لازمۂ واردات ہے

جامِ مئے نشاط میں دُنیا و دیں ہیں غرق

اندیشۂ مآل، نہ فکرِ نجات ہے

پھر فیضِ کفرِ حسن سے ہے مستفیض عشق

حسبِ قدیم کعبۂ دل سومنات ہے

گنجائشِ دُعا ہے، نہ امکانِ بندگی

دُنیا مرے خیال کی بے حادثات ہے

ناممکنات کے بھی احاطے میں جو نہ تھا

پھر وہ مُحاطِ دائرۂ ممکنات ہے،

۱۹۵

ہے گردشِ زمانہ مرے زیرِ اقتدار

بسملؔ، عنانِ دہر پہ پھیرا ہاتھ ہے

تیرے بغیر

دل ہے اور اک ابتلائے عام ہے تیرے بغیر

زندگی آلام ہی آلام ہے تیرے بغیر

عشق میں ہر شام ہے بے صبح تیرے ہجر کی

زندگی کی ہر سحر بے شام ہے تیرے بغیر

تیرے پہلو کے سوا آرام ممکن ہی نہیں

دل کچھ اس پہلو سے بے آرام ہے تیرے بغیر

ہائے اک آغاز تھا کل اور میں تھا تیرے ساتھ

آج میں ہوں اور اک انجام ہے تیرے بغیر

موت کو بھی جو گوارا ہو نہ اپنے واسطے ،

زندگی مجھ پر وہ اک الزام ہے تیرے بغیر

آہ اس عالم میں اک میرے سوا کوئی نہیں

ہائے وہ عالم کہ جس کا نام ہے تیرے بغیر

چاہیے اک عمر جس کے عالم سکرات کو ،

ہر نفس اس موت کا پیغام ہے تیرے بغیر

دل نہیں ہے تیری فرقت میں ہے اک ماتمکدہ

آرزوؤں میں بپا کہرام ہے تیرے بغیر

ذوقِ بیداری بجز خوابِ پریشاں کچھ نہیں،

خواب، گویا اک خیالِ خام ہے تیرے بغیر

اب بھی تو آجائے تو باقی ہے تابِ ضبطِ آہ

ورنہ رازِ عشق طشت از بام ہے تیرے بغیر

دستِ رنگیں سے ترے لبریز جو پاتا تھا میں

آج ساقی تشنہ لب وہ جام ہے تیرے بغیر

جرأتِ گستاخ توبہ کھینچتی ہے اپنی سمت،

دامنِ تر جامۂ احرام ہے تیرے بغیر

دوستوں کا خیر مقدم بھی ہے دل کو ناگوار

ہر صدائے مرحبا دشنام ہے تیرے بغیر

مُنفعِل جو اک خدا کے بھی تصوّر سے نہ تھا،
اب وہ دِل شرمندۂ اوہام ہے تیرے بغیر

جِس کے دِل پر عرش اُتر آتا تھا بن کر شعرِ تر
اب وہ بسمل تِشنۂ الہام ہے تیرے بغیر

(٭)

دُشوارئ حیات

توبہ وہ وقت کچھ بھی جب انساں نہ کر سکے
دُشوارئ حیات کو آساں نہ کر سکے

اُس زندگی میں فکر ہو اسبابِ زیست کی
جس زندگی میں موت کا ساماں نہ کر سکے

ناکام یہ سمجھ کے بھی ہر کام میں رہے،
وہ کام کون سا ہے جو انساں نہ کر سکے

کچھ یہ نہیں کہ موت سے بچنے کی فکر ہو

درماں پذیر درد کا درماں نہ کر سکے

رہ کر خموش بھی رہے کمبخت نامُراد،

کہہ کر بھی چارۂ غمِ پنہاں نہ کر سکے

تردید میں مجال نہ ہو کہہ سکے 'نہیں'،

تائید میں ہو، مُنہ سے مگر ہاں نہ کر سکے

جس سے فروغ گیر ہو خورشیدِ زندگی،

اُس شمعِ آرزو کو فروزاں نہ کر سکے

لے آندھیوں میں جس کی پناہیں چراغِ دیر

شمعِ حرم کو وہ نہ داماں نہ کر سکے

جس نے چراغِ صبح کے سورج بنائے ہوں

وہ اہتمامِ شمعِ شبستاں نہ کر سکے،

لے آئے اُس مقام پہ دورِ فلک جہاں

پستی کو رفعتوں سے پشیماں نہ کر سکے،

رنگینیٔ شفق سے ہو محروم جس کی شام

جس کی سحر کو حُسن بھی خنداں نہ کر سکے

ہو میزبانِ شامِ غمِ دہر الاماں

بسمل جو صبحِ عید کو مہماں نہ کر سکے

مآلِ مسرّت

ہر عیش میں پوشیدہ الم دیکھ رہا ہوں
آئینۂ ہستی میں عدم دیکھ رہا ہوں
تقدیر کا انجامِ کرم دیکھ رہا ہوں
فطرت کی نوازش کا ستم دیکھ رہا ہوں
بے ناز و ادا حسنِ صنم دیکھ رہا ہوں
بلقیس کو بے خیل و خدم دیکھ رہا ہوں

مانوس تھی جس زلف کے خم سے مری قسمت

اُس زلف کو بیگانۂ خم دیکھ رہا ہوں

رہتی تھی جو اندازِ تبسم سے رسیلی

اُس آنکھ میں اندوہ سے نم دیکھ رہا ہوں

وہ عیش جو آزاد تھا اندیشۂ غم سے،

اُس عیش کو وابستۂ غم دیکھ رہا ہوں

جس قلب کی تقدیر تھی ہر راحتِ دُنیا

اُس قلب کو تقدیرِ الم دیکھ رہا ہوں

حُسن اَور حزیں، حُزن اور احساسِ فرائض

اک پیکرِ تصویر میں دم دیکھ رہا ہوں

یا فرش پہ کل جبینِ قدم دیکھ رہا تھا

یا خاک پر اب نقشِ قدم دیکھ رہا ہوں

بخشے تھے اِسی دِن کو درِ حسن کے سجدے

پھر جانبِ محرابِ حرم دیکھ رہا ہوں

وہ ظلم کے انداز سے ممکن ہی نہیں تھا

جو ظلم بہ اندازِ کرم دیکھ رہا ہوں

جلنا ہو، نہ مرنا ہو کوئی جس کے اثر سے

میں شہدِ مسرت میں وہ سم دیکھ رہا ہوں

اِس غمکدہِ دہر میں صرف ایک خوشی پر

اللہ نہ دِکھلائے جو غم دیکھ رہا ہوں

اغیار کی آنکھوں کو میسّر نہیں تکمیل
احباب کی نظروں میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں

نظمیں

مہاتما گاندھی

جب کہ رسم ہاتھی اٹھائی جا رہی تھی

اللہ رے! اِس جہان کی یہ جرأتِ رواج

گاندھی کی رسمِ ماتمِ مرگ اُٹھ رہی ہے آج

گویا کہ ختم آہ و بُکا کر چکیں گے ہم،

آج اپنے فرضِ غم کو ادا کر چکیں گے ہم

غم! اور غم، مہاتما گاندھی کی موت کا

ناقابلِ تحمّل و برداشت حادثہ

گاندھی کی موت عالمِ انسانیت کی موت

انسانیت کی موت ہے رُوحانیت کی موت

گاندھی کی موت، موت ہے مُلک اور قوم کی

اک مُلک، ایک قوم تھا وہ ایک آدمی

دُنیا کی زندگیِ غم جانکاہ ہو گئی

ہر سانس کائنات کی اک آہ ہو گئی

انسان کا معلمِ اخلاق مر گیا،

"انسانیت"، کے دین کا خلّاق مر گیا

گیتا، گرنتھ، بائبل، انجیل اور قرآں

گاندھی میں تھیں تمام مذاہب کی خوبیاں

اخلاص تھا جو عظمتِ کردار پر گواہ

کردار تھا صداقتِ گفتار پر گواہ

ہندوستاں میں اُس سے بلند آدمی تو کیا

عظمت کو اُس کی پا نہ سکے گا ہمالیہ

جس حد تک آسمان ہے ہندوستان کا

جھکتا ہے اُس کے سامنے سر آسمان کا

ہندوستاں پہ اُس کے ہیں احسان جس قدر

ذرّے زمینِ ہند پہ ہوں گے نہ اِس قدر

ہندوستان دو سو برس سے غلام تھا

جس کی فضا میں سانس بھی لینا حرام تھا

اُس کے سبب سے ہند جب آزاد ہو گیا

ہر ذرّہ اُس کا شاد اور آباد ہو گیا۔

ایک ننگِ ملک و ملّت و انسانیت نے آہ

ہندوستاں کو کر دیا تاراج، اور تباہ

قدرت سے جس کی روح کو خود حق کی تھی تلاش
وہ جا رہی ہے پاپ کی دُنیا سے اُس کی لاش
منظر وہ پُر شکوہ ہے ارتھی کی راہ کا،
تختِ رواں نہ ہوگا کِسی بادشاہ کا
چندن کی اِس چتا پہ فِدا ظہور ہو گیا
اُٹھا جو شعلہ نار سے وہ نُور ہو گیا،
یہ جسم کِس کا جل گیا اور خاک ہو گیا،
آلودۂ وجود تھا، اب پاک ہو گیا
گاندھی! ارے مہاتما گاندھی غضب ہوا!
اک تِنکا اور آگ کی آندھی غضب ہوا!

قدرت کا آج کچھ منجاوز ارادہ ہے
گاندھی کی موت ، موت سے بھی کچھ زیادہ ہے

گاندھی کی موت آخری غم ہے جہان کا
اب زیر چرخ ہوگا نہ ماتم کوئی بپا

جینے کے لائق آدمی دنیا میں ہونگے سب
مرنے کے قابل آدمی پیدا نہ ہونگے اب

اختر شیرانی

چھا گئی رُوح پر اک غم کی گھٹا تیرے بعد
کتنی تاریک ہے اِس دِل کی فضا تیرے بعد

تُو تو اِس دور میں جینے سے تھا پہلے ہی سے تنگ
تجھ کو آئی ہے حقیقت میں قضا تیرے بعد

اِتنی سُنسان تو یہ بزم ہوئی تھی نہ کبھی
جتنی سُنسان ہے بزمِ شعرا تیرے بعد

عشق و مستی کی با آہنگِ خیّام و حافظ،

سازِ اُردو سے نہ نکلے گی صدا تیرے بعد،

اب کہاں وہ تیرے اشعار کا رنگینِ اسلوب

کون ہو تیری طرح نغمہ سرا تیرے بعد

کر سکے کون وہ اندازِ روانی پیدا،

کس کے شعروں میں ہو رفتارِ صبا تیرے بعد

حُسن کو خود بھی نہیں اپنی ادائیں جو نصیب

مل سکے اب وہ کسے حُسنِ ادا تیرے بعد

زانوِ حُسن پہ اب نیند کسے ہو گی نصیب

کس کو راس آئے گی دامن کی ہوا تیرے بعد

ماند پڑ جائیں گے گُل پیرہنوں کے جلوے

کون دیکھے گا بہاروں کی ادا تیرے بعد

آہ، آتشکدۂ بادہ فروشاں پہ کبھی،

اب نہ چھائے گی بہشتوں کی فضا تیرے بعد

کرمِ بیحدِ ساقی پہ بھی بدمستی ہیں،

کِس کو ہو خِسّتِ ساقی کا گِلہ تیرے بعد

جِس کے ہر جُرعے میں میخانہ اُمنڈ آتا تھا

دستِ ساقی میں وہ ساغر نہ رہا تیرے بعد

بارشیں آئیں گی اختر! نہ اُٹھے گی لیکن

اُفقِ جام سے مستانہ گھٹا تیرے بعد

تیرے احبابِ خصوصی کی وفا کیا کہیے

یاد آئی ہے انھیں اپنی وفا تیرے بعد

جلیے جی جس نے نہ ہونے دیا برہم بزم تجھے

گرم اُس سے ہے تری بزمِ عزا تیرے بعد

زندگی میں تجھے جس نے نہ پلائی ہو شراب

تیری بخشش کی نہ مانگے وہ دُعا تیرے بعد

کاش میرے لئے لکھتا وہ تجھے جو اختر!

جوشؔ[1] نے تیرے لئے مجھ کو لکھا تیرے بعد

ہے تری بیکسیٔ عشق کا رونا مجھ کو

کوئی پرسانِ محبت نہ رہا تیرے بعد

---

[1] شاعرِ انقلاب حضرت جوشؔ ملیح آبادی

۲۱۸

تیری ریحانۂ شعر اور تیری سلمائے شراب
کس کی ہو کر رہیں بسمل کے سوا تیرے بعد

ایک نوعروس مطلّقہ سے

جانتا ہوں اِس نزاکت کو ہیں اور نازک ادا
آئینے کی طرح دِل ہوتا ہے نازک حسن کا
ٹھیس لگ جاتی ہے جب اس آئینے کو درد کی
ٹوٹ جاتا ہے صدا دے کر اک آہِ سرد کی
ٹوٹ کر، آنکھوں سے بہہ جاتا ہی پانی کی طرح
شمعِ سوزاں کی طرح، تیری جوانی کی طرح

جانتا ہوں تیرے دل کا آبگینہ ہے پاش پاش

جانتا ہوں تُو ہے چلتی پھرتی اک بے رُوح لاش

با ہمہ اسبابِ راحت لذّتوں سے دور ہے

اپنے جینے پر بغیرِ زندگی مجبور ہے

ہو رہی ہے اپنی اک اک سانس میں تحلیل تُو

اُڑ رہا ہے جسم سے تیرے ہوا بن کر لہُو

خلوتوں میں اشکبار اور محفلوں میں شرمسار

ہے تجھے آب و ہوائے زندگی ناسازگار

نوشگفتہ گُل کا ہو مُرجھائے پھولوں میں شمار

یا خزاں کہہ کر پُکاری جائے اک تازہ بہار

تو ہے اُن حالات میں اس نے فقت جن حالات میں

جھونپڑوں کے خواب آتے ہیں نظر محلات میں

عشرتوں کی ٹھوکروں کا چھوڑ کر عیش و طرب

عسرتوں میں حسن کو ہوتی ہے جب دل کی طلب

بدگماں جب بے سبب ہوتی ہے دولت حسن سے

چکیاں پسوا دیا کرتی ہے غیرت حسن سے

سیم و زر کے قہقہوں کی جب نہیں رہتی ہے تاب

مفلسی کے آنسوؤں میں مسکراتا ہے شباب

یعنی پامال ہوس جب حسن کا ہوا اعتماد

عشق سے وعدہ خلافی اپنی آجاتی ہے یاد

اِک نگاہِ نازِ ناقدری کی ٹھکرائی ہوئی
اپنی ہم چشموں میں جب رہتی ہے شرمائی ہوئی

نخوتِ محمود سے ہوتا ہے اُس کو احتراز
شوق سے لیکن اٹھا لیتی ہے وہ نازِ ایاز

اے معاذ اللہ! تیری نوجوانی اور طلاق
آہ دُنیا اس قدر بدذوق اتنی بد مذاق،

ہے وہی کفرِ ہوس میں اک رواجِ بے فلاح
جس کو شرعِ عشق میں کہتے ہیں اہلِ دل نکاح

عشق ہے ملحوُظ، تو ہے عقد وجہِ احترام
نفس ہے گر کار فرما، عقد ہے رسمِ حرام،

عقد ہو سکتی نہیں جس بنا میں کوئی اور شے
عشق سے پڑتی ہے جو دل میں گرہ وہ عقد ہے
سیم و زر دے کر خریدی جائے عورت قہر ہے
زندگی، اس کا چڑھاوا ہے دل اس کا مہر ہے
نا روا، اس عقد میں ہر ظاہری رسم فضول
روح کی گہرائی میں ہوتا ہے "ایجاب و قبول"
فطرتِ عشق و محبت اس میں ہے نفی ہی گواہ
زندگی بھر رکھتی ہے اپنی گواہی پر نگاہ
ہوتے ہیں عہدِ وفا کے پھول سہرے کیلئے
غازۂ باہم نگاہِ شوق چہرے کے لئے۔

زندگی کا زندگی کے ساتھ ہو جاتا ہے بیاہ

اتحادِ مرگ بن جاتا ہے آخر بے نباہ

ازدواجِ عشق میں ممکن نہیں ہوتی طلاق

ازدواجِ عشق کو کہتے ہیں وصلِ بے فراق

رسم کی شادی کا بھی انجام دل میں سوچ لے

عشق کی شادی کا بھی پیغام دل میں سوچ لے

عرضِ بیداری

جاگ، او خانہ براندازِ چمن، خواب سے جاگ!

جاگ، او جانِ چمن، نازِ چمن خواب سے جاگ!

جاگ، او دولتِ دیدارِ چمن خواب سے جاگ!

جاگ او قسمتِ بیدارِ چمن خواب سے جاگ!

جاگ، او صبحِ نخستینِ چمن، خواب سے جاگ!

جاگ، او نزہتِ سیمینِ چمن خواب سے جاگ،

خیز! اے پیکرِ تصویرِ جوانی برخیز!

خیز! اے نازشِ تقدیرِ جوانی، برخیز!

مُسکراتے ہوئے بیدار ہو اے جانِ بہار

تیری بیداری ہی گُلشن میں ہے اعلانِ بہار

کھول کر آنکھ ذرا کھینچ دے تصویرِ بہار،

جُنبشِ موجِ نظر ہے تری تقدیرِ بہار

ہاں ذرا عارضِ گلگوں کا اثر ہونے دے

رنگ آمیز گُل و برگ و ثمر ہونے دے۔

مہرِ رُخسار سے اِس ابرِ حریری کو ہٹا

رنگ جائیں لبِ لعلیں سے گُلاب و لالہ

بے کسل کیف ہے انداز ظرحداری ہیں
نیند سوئی ہوئی ہے حسن کی بیداری ہیں

خوابگہ ہے تری اک جلوہ گہ لالہ و گل
ہے ترے عارض گلگوں پہ ہر اک گل بلبل

تو ذرا دیکھ تو جگنو ہیں فضا میں رقصاں
قمقمے جیسے ہوں بجلی کے ہوا میں رقصاں

تجھے بیدار صبا کرتی ہے کن چالوں سے
گدگدی گالوں پہ کرتی ہے ترے بالوں سے

جاگ اور جاگ کے آثار سحر پھیلا دے
رخ روشن سے اب انوار سحر پھیلا دے

چاند اور چاندنی دونوں کو اجازت دیدے

رات بھر جاگے ہوئے تاروں کو رخصت دیدے

پھول بیتاب ہیں گلشن میں مہکنے کے لئے

منتظر بیٹھی ہیں چڑیاں بھی چہکنے کے لئے

اُٹھ مسہری سے قدم رنجہ زمیں پر فرما

اور رخِ تقدیرِ زمیں چرخِ بریں پر فرما

سبزے کی حسرتِ پابوس نکل جانے دے

اپنے قدموں سے ذرا اس کو مسل جانے دے

اُٹھ کے بتلا دے کہ ہے سرو کو کس بات پہ ناز

چل کے دکھلا دے نسیمِ سحری کے انداز

پائے رنگیں کے عطا کر لبِ جُو کو بوسے،

جگمگا حوض کے آئینے کو عکسِ رُخ سے،

حوض میں عکسِ تبسم کے اثر پیدا کر،

مچھلیوں کے لئے پانی میں گھر پیدا کر،

دیکھ اک منتظرِ دید کی اُمید کو دیکھ،

اپنا دیدار دکھا، مضطربِ دید کو دیکھ

کروٹیں لے کے نہ ہلچل مرے جذبات میں ڈال

دلِ معصوم کو للہ نہ آفات میں ڈال

تھی نسیمِ سحری کیا نری انگڑائی میں،

جاگ اُٹھی لہر سی اک باغ کی انگنائی میں،

لے وہ خاموش فضاؤں میں تلاطم آیا!

لے وہ انگڑائیاں آئیں کہ وہ تبسم آیا!

تو جو اے غنچہ دہن! ناز سے ہنس کر دیگا

شوقِ نظارہ کی تکمیل کا منظر ہوگا

جوانی کی کہانی بیوہ کی زبانی

میں وہ عمرِ مختصر ہوں جو فرقت میں گزرتی ہے
وہ افسردہ جوانی ہوں جو حسرت میں گزرتی ہے
جو عشرت میں گزر جائے اُس اک دن کی تمنا ہو
اور اُس اک رات کی حسرت جو راحت میں گزرتی ہے
وہ کروٹ ہوں شبابِ مضطرب پیہم جسے بدلے
وہ حالت ہوں جو انگڑائی کی حالت میں گزرتی ہے

جوانی کے چمن میں وہ نہالِ نامرادی ہوں

ہر اک رُت پھول پھل آنے کی حسرت میں گزرتی ہے

جوانی، اور پھر میری جوانی اک قیامت ہے،

کسی کو کیا خبر جو اِس قیامت میں گزرتی ہے

جوانی، اور یہ بے لذّت گنہ یعنی خیالوں کے

گزر سکتی ہے عصمت میں نہ لذّت میں گزرتی ہے

جوانی کو بچاؤں کیونکر الزامِ تمنّا سے،

تمنّا خود نگہبن کر شہادت میں گزرتی ہے

اندھیری رات میں برسات کی کالی گھٹاؤں میں

جوانی کی سہانی رات حسرت میں گزرتی ہے

جوانی کے لیے اکثر سُنا کرتی تھی بچپن میں
تمناؤں میں کٹتی ہے، محبت میں گزرتی ہے

مگر یہ کیا خبر تھی وہ جوانی آئے گی مجھ پر
کہ جو لعنت میں کٹتی ہے نحوست میں گزرتی ہے

جو دم بھر کو نہ ٹھہرے وہ زبانِ شکوہ غم ہوں،
وہ لب ہوں جس کی قدرت کی شکایت میں گزرتی ہے

کسی کی جستجو ہو جس کو وہ چشمِ تمنا ہوں
وہ بے چینی ہوں جو دِل پر ضرورت میں گزرتی ہے

وہ گھبراہٹ ہوں جس میں کوئی بینائی نہ ہو باقی
وہ مدّت ہوں جو بیکاری کی فرصت میں گزرتی ہے

کسی کا دیکھنا اپنی طرف دیکھا نہیں جاتا
کچھ ایسی بے بسی جذباتِ فطرت میں گزرتی ہے

ہنرمند و سلیقہ ور حسین و عشق پیشہ ہوں
مگر ہندوستاں میں ننگِ ہستی ہوں بیوہ ہوں

سیاہ ساڑی

مصروفِ سیرِ شام لبِ بام ہے کوئی،
یا صبحِ حسن شام بہ اندام ہے کوئی

خود جلوۂ صبیح ہے، ساڑی سیاہ ہے
پتلی میں جیسے آنکھ کی نورِ نگاہ ہے،

ساڑی میں ہے جو حسنِ فراواں چمک رہا
ظلمات میں ہے چشمۂ حیواں چمک رہا

فانوسِ شب میں جیسے ہو شمعِ خیالِ دوست
جیسے شبِ فراق میں یادِ جمالِ دوست
ابرِ سیاہ رنگ میں بجلی کی سی چمک !
فردِ سیاہ کار میں رحمت کی اک جھلک
پر نو گھٹا کا غنچۂ نورس لئے ہوئے
شام اودھ ہے ، صبحِ بنارس لئے ہوئے
اک آفتاب کالی گھٹا کے ہے دوش پر
ڈوبی ہے شام کی کہ خُدا وندۂ سحر
قسمت چمک اٹھی ہے لباسِ سیاہ کی
روشن کسی کی رات ہو جیسے گناہ کی ،

رُخ پر اُڑے ہوئے جاتی ہے آنچل کو یوں ہوا
جس طرح چاند پہ سے ہو بادل گذر رہا
او پیکرِ صبیح لباسِ سیاہ میں
کافر تجھی سے آئی ہے لذّت گناہ میں
ہے عشقِ سادہ حسن سے مجبورِ معصیت
تنا بدِ بنا تجھی سے ہے دستورِ معصیت
پیدا تجھی سے دل میں ہے امکانِ آرزو
نظارۂ جمال ہے اعلانِ آرزو
او کعبۂ نگاہِ تمنّا سلامِ شوق
پہنچا رہی ہیں تجھ کو نگاہیں پیامِ شوق

اک دوست ہیں میرے بڑے ذی فہم و خرد مند
سب سے بڑے آفس کے اسسٹنٹ خداوند
تعطیل تھی، کل اُن سے جو ملنے کو گیا میں
کم ہوتا ہے ملنا تو بہت دیر رہا میں
آتے ہی ہوئی اوّل تو سلامی پہ سلامی
ہوتی رہی تا دیر غلامی کی غلامی

کچھ اہلِ غرض لے کے تحائف ہوئے حاضر

پڑھتے ہوئے کچھ دل میں وظائف ہوئے حاضر

کرسی پہ لٹک کر، کبھی گودی میں مچل کر

نذرانے لئے بچّوں نے گھر میں سے نکل کر

پھر وحی ہر اک قسم کی جب ہو چکی نازل

فرصت ہوئی مشکل سے ذرا دیر کو حاصل

اک بات ہوئی خاص ملاقات ہوئی ان کی

بسملؔ کا جو ذکر آیا کسی بات میں اُن کی،

دریافت کیا اُس کے لئے میں نے یہ اُن سے

ہر چند کہ بگڑے ہوئے تیور تھے کچھ اُن کے

اب آپ کے ہاں آپ کا بِسمل نہیں ہوتا۔

محفل میں وہ اب گرمیٔ محفل نہیں ہوتا

وہ ہمدمِ دیرینہ، وہ ہمراز کہاں ہے۔

وہ شاعرِ آزاد، وہ جانباز کہاں ہے

پہلے تو یہ حالت تھی کہ غمخوار تھے دونوں

ہمرنگ تھے ہم آہنگ تھے ہم یار تھے دونوں،

آپ اُس کے مکاں پر، نہ وہ اب آپ کے گھر پر

ہوتا ہے کبھی چائے پہ ملنا، نہ ڈنر پر؟

کیا بات ہے آپس میں وہ ارتباط نہیں ہے

اب آپ کہیں اور ہیں، وہ اور کہیں ہے

اب اُس پہ وہ بارا نہ مرا جسم نہیں ہے تنے

اب اُس پہ محبت کے مظالم نہیں ہوتے

اوّل تو محبّت کا بڑھانا نہیں اچھا

بڑھ جائے تو پھر اُس کا گھٹانا نہیں اچھا

اِس بات کا احساس اِدھر ہے نہ اُدھر ہے

اُس وضع کا اب پاس اِدھر ہے نہ اُدھر ہے

سُنتے رہے وہ با دلِ ناخواستہ سب کچھ

پھر سُن کے مری باتوں کو اُکتا گئے جب کچھ

کہنے لگے، اک راز ہے یہ نکتۂ محبّت

اوّل تو محبّت کی نہیں کوئی حقیقت

کچھ میل ملاقات، نہ کچھ ربط، نہ کچھ ضبط

اِن باتوں کو ہم لوگ سمجھتے ہیں نرا خبط

وہ دوستی، کیا اُس سے محبت تھی دوامی

وہ دوستی، دراصل سیاست تھی تمامی،

ملنے کی ضرورت نہ اِدھر ہے نہ اُدھر ہے

اور دل میں کدورت نہ اِدھر ہے نہ اُدھر ہے

وہ ہم سے نہ ہم اُس سے ہی زنہار خفا ہیں

"بھئی، اصل میں اُس شخص سے سرکار خفا ہیں"

وہ دوستی اچھی، نہ وہ مذہب، نہ وہ انسان

وہ سرورِ دیں کے لئے جس سے ہوا انگشت بدنداں

ہر چند نہ تھی رنجش باہم مجھے منظور
کچھ آ ہی گیا حضرت بسمل سے یہ مذکور

بشنید و بگفت ایں ہمہ نذرِ مے و ساغر
خندید و بگفت ایں ہمہ بر پشمِ قلندر

رُباعیات

پتھر ہی نہ صرف گل رہے ہیں یارب
آئینے بھی کچھ پگھل رہے ہیں یارب
دوزخ میں ہزاروں جلنے والے کمبخت
اوروں کے گلشن میں جل رہے ہیں یارب

ہر چیز جنھیں حسبِ تمنّا دی تھی ،
ہر چیز جنھیں اُن کی ہی سمجھا دی تھی
جنّت کے کھلونوں سے جہنّم بھر جائے
یہ بھی اُنھیں دے دے جنھیں دُنیا دی تھی

بدلے بھی گناہوں کے لیئے جاتے ہیں
توفیقِ گنہ بھی وہ دیئے جاتے ہیں
توبہ کر کے شکستِ توبہ کر کے ؟
ہم حکم کی تعمیل کیئے جاتے ہیں

احکام پہ اپنے ہے شریعت نازاں
افعال مشیت کے ہیں زیرِ فرماں،
ارشادِ شریعت بسر و چشم، مگر
منشائے مشیت کا ہے پابند انساں

اجمال کو کرتی ہے مُفصّل فطرت
انساں کو بناتی ہے مُکمّل فطرت
انسان کی فطرت کو دیعت ہی گُناہ
انسان کا ہے مذہبِ اوّل فطرت

پاکیزگیٔ رفعتِ افکار نہ ہو،
یا مصلحت اندیشیٔ کردار نہ ہو
انسان تو اللہ کا شہکار سہی
اللہ خود انسان کا شہکار نہ ہو

اُس قرب پہ یُوں دُور مرا ہو جانا
اُس وصل پہ مہجُور مرا ہو جانا
مرنے کے بھی اختیار پہ زندہ ہی رہُوں
اللہ رے مجبُور مرا ہو جانا

دِل میں ہُوئی تسکینِ مُتمکّن کیونکر؟
شرفِ مُتحرّک ہُوئی ساکِن کیونکر
ہوا یک جُدا آپ سے ممکن ہی نہیں
پھر اپنی جُدائی ہُوئی ممکن کیونکر

مَحرُوم ہے بہ دیدۂ نظّارہ جُو
حالانکہ مِری چشمِ تصوّر میں ہے تُو
آنکھوں سے بہ قُرب، اور لگا ہوں سے بہ بُعد
ہے گُل میں بھی، اور گُل سے جُدا بھی خُوشبُو

رُوداد جوانی کی مکمّل نہ ہُوئی،
مجمل ہی رہی بات مُفصّل نہ ہُوئی
کل کے لیے رکھتا ہے جوانی بیکل!
نا عاقبت اندیش اگر کل نہ ہُوئی،

یہ کس کی نظر اُٹھ کے ہُوئی نازل شعر،
جیسے کوئی فردوس ہُوا نازل شعر،
ہے شعر تو خود حسن کا حاصل، مگر اُف!
ہو جائے اگر حسن کبھی حاصل شعر

بُنیادِ نشاط و عیش محکم کرلیں،
مے خانے کا پھر بلند پرچم کرلیں
وہ جُھوم کے ساون کی اُٹھی پہلی گھٹا!
برسات کی رُت کا خیر مقدم کرلیں

دیکھی نہیں جاتی تری تیکھی چتون
کس طرح اُٹھا سکتا ہوں جَور دُشمن
کانٹے کی کھٹک تو ہو گوارا کیونکر!
برداشت نہیں پھول کی پتّی کی چبھن

تسنیم ہے ساگر کا جو قطرہ قطرہ
فردوس ہے اس باغ کا پتّہ پتّہ
ہے کس کی قدم بوس الٰہی یہ زمیں
خورشید ہے اجمیر کا ذرّہ ذرّہ

مے خانوں میں ہو مے نہ ہو مے میں مستی
آباد نہ ہو عشق سے دل کی بستی
کچھ لطف نہ ہو شعر و سخن کا بسمل!
جیسے پورہ میں ناظم کی نہ ہو گر ہستی

میرے عزیز مرحوم دوست ناظم عزیزی سنبھلی

قطعات

افلاس

جب نہ ہوتا اس کے تن پر چیتھڑا
بیوی بیں بیٹھی سر ماتی
دو برس کا بچہ اتنا ہوشیار
عید سے اک روز پہلے مر گیا
صرف رب العالمیں ہی تو نہیں
رحم دل بھی کس قدر ہے تو خدا

مسوری

ہر سمت ذوقِ عشق کی اِک جلوہ گاہ ہے
ہر منظرِ نگاہ بہشتِ نگاہ ہے
کس درجہ یہ فضائیں ہیں جذبات آفریں
اِن میں کوئی گناہ نہ کرنا گناہ ہے

ہردوار

پہلی کرن بہارِ سرِ کوہسار سے
پڑتی ہے رنگ و کیف کے نصف النہار سے
جو صبح بخشتی ہے بنارس کو نُور نہیں
بسملؔ طلوع ہوتی ہے وہ ہردوار سے

ضعفِ حکومت

مذہب کے سنبھالے بھی سنبھلتے نہیں جلسے

جب ہو سرِ بازار قوانین کی کثرت

اک ماہرِ آئینِ ریاست کا ہے یہ قول

اچھی نہیں ہوتی کبھی آئین کی کثرت

جس شخص کا توپوں سے بدلنا نہیں ممکن

وہ ضعفِ حکومت ہے قوانین کی کثرت

قانون

وہ خون جو انسان کی ہے روح بدن میں
ہوتا ہے فساد اکثر اسی خون سے پیدا
قوت سے کبھی فعل ہوا کر ہی رہے گی
جو بات کہ ہو جائے گی مضمون سے پیدا
ہوں جرم شعاروں کے دماغوں میں جو معنی
وہ جرم کبھی ہو جاتے ہیں قانون سے پیدا

احتیاط

مل کے اس رنگ میں وہ رنگ کٹا جاتا ہے
اعتبار اپنا بھی دنیا میں گھٹا جاتا ہے
پردۂ عفتِ سیتا کو نہ کھینچ اتنا؟
دامنِ عصمتِ مریم بھی پھٹا جاتا ہے

بہ معذرتِ شعرگوئی

ملتفت دو جانب اک انسان رہ سکتا نہیں
شعر جب سنتا ہو کوئی شعر کہہ سکتا نہیں
شدّتِ اندوہ سے سر دھن رہا ہوں آج کل
نظمِ بیدادِ مشیت سن رہا ہوں آج کل

BORROWER'S NO.	ISSUE DATE	BORROWER'S NO.	ISSUE DATE